ہفت روزہ "لیل و نہار" لاہور

ناسخ کی شاعری کے بارے میں آلِ احمد سرور کا یہ فقرہ جو ابتدائی صفحے پر درج ہے۔ بڑا معنی خیز اور جامع ہے —

"ناسخ لکھنؤ سکول کی ادبی قدروں کے خالق اور لکھنؤ کی ادبی شریعت کے نافذ کرنے والے ہیں —"

ناسخ ایک دبستانِ شاعری کے بانی تھے، وہ عامیانہ مضامین اور سوقیانہ اظہار کے طریقوں کو غزل سے خارج کر کے اس میں طرزِ بیدل کو رواج دینا چاہتے تھے، عروض اور قواعد کی باریکیوں سے آشنا اور علمی موضوعات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اسی لئے انہوں نے قواعد اور نشستِ الفاظ کے لئے قوانین بھی وضع کئے۔ زبان کی صحت اور صفائی کے لئے انہوں نے جو کوششیں کیں وہ سودمند بھی ثابت ہوئیں اور مضر بھی اس لئے تطہیر کی مہم میں بعض اچھے الفاظ مارے گئے۔ بہرحال وہ شاعر تو تھے ہی لیکن شاعر سے زیادہ "ادبی شریعت" کے مبلغ اور محتسب تھے اسی لئے ان کے کلام میں صحتِ زبان کے ساتھ صنائع و بدائع، نازک خیالی اور معنی آفرینی کی چاشنی تو ملتی ہے، لیکن جذبات نہیں ملتے۔

ناسخ کے کلام کے انتخاب میں فاضل مرتب نے بقولِ خود ان توضیحات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ (۱) اچھے شعر (۲) لکھنویت کا مفہوم واضح کرنے والے اشعار (۳) نفسیاتی اور تاثراتی اشعار۔ اس التزام کے ساتھ وہ نمائندہ اشعار کے انتخاب میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ کاش ناسخ 'شریعت' کے نفاذ پر اتنی توجہ نہ کرتے اور ایسے اشعار کہتے :- ؎

دم بلبلِ اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جو نہی سن سے نکل گیا
شانانِ مثلِ وادیٔ غربت ہے لکھنؤ
شاید کہ ناسخ آج وطن سے نکل گیا

انتخاب ناسخ و آتش ۔ مرتبہ حسن

از ۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل ۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب ۔ کاغذ کھرا ۔ غیر مجلد ۔ ضخامت ۱۱۲ صفحات قیمت فی کتاب عہ ۔ کتاب منزل ایجوکیشنل پبلشرز کشمیری بازار لاہور سے مل سکتی ہے ۔

فاضل مرتب نے ناسخ و آتش کے کلام کا انتخاب دو حصوں میں پیش کیا ہے ۔ بقول آل احمد سرور ناسخ لکھنو اسکول کی ادبی قدروں کے خالق اور لکھنو کی ادبی شریعت کے نافذ کرنے والے ہیں ۔ ناسخ لکھنو کی ادبی خود مختاری کا اعلان کرتے ہیں ۔ آتش اس کے مقابلے میں مصحفی کے اثر سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتے ۔ ابتدا میں ناسخ اور آتش کے حالات زندگی ۔ تصانیف اور شاعری میں ان کا رتبہ اور ان کے کلام پر تنقید درج کی گئی ہے ۔ بعد ازاں ان کے کلام کا انتخاب درج کیا گیا ہے ۔ اردو ادب کے متوالوں کے لئے اچھا تحفہ ہے

انتخابِ ناسخ
تاب منزل ایجوکیشنل پبلشرز کشمیری بازار لاہور

ناسخ

ناسخ

- حالات
- تنقید
- بانی دبستان
- انتخاب

از

مرتضیٰ حسین فاضل

ناسخ لکھنؤ اسکول کی ادبی قدروں کے
خالق اور لکھنو کی ادبی شریعت کے نافذ کرنے
والے ہیں۔ ناسخ لکھنؤ کی ادبی خود مختاری کا
اعلان کرتے ہیں۔

آتش اس کے مقابلے میں مصحفی کے اثر
سے بالکل آزاد نہیں ہو سکے اور میر حسن کا
خاندان بھی اسی وجہ سے لکھنؤ کے ادبی رنگ
کو پوری طرح جذب نہیں کر سکا۔

آل احمد سرور

ناسخ کون ہیں؟

فن کار کا تعارف، فن کی تخلیل سے مکمل ہو جاتا ہے مگر فن کی تخلیق اور اس کا پس منظر معلوم کرنے کے لیے متعلقہ شخصیت کے خاندان، روایات، ماحول، غرض پورے ماضی کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر فن اور فن کار تاریکی میں رہتے ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ شخصیتیں اکثر عام جانداروں کی طرح پیدا ہوتی ہیں، پھر عام سطح سے الگ امتیاز قائم کرتی ہیں۔ اس لیے ابتدائی حال پر ماضی کا اندھیرا چھا جاتا اور مبصّر و مورّخ حیران ہو جاتا ہے۔ مولانا آزاد پہلے صاحب بصیرت کردار نگار ہیں جنھوں نے ہر شخصیت کے لیے ضروری مواد اور متحرک تصویریں بنا کر شخصیتوں کو زندہ کر دیا ہے۔ ان کے بعد عبدالحی، عشرت اور غضنفر نے ناسخ پر کام کیا اور معلومات فراہم کیے۔ مگر نہ تو آزاد سے بچی ہوئی باتوں کو جمع کر سکے نہ ہلکی، مدھم اور گنجلک جزئیات پر روشنی ڈال سکے بلکہ ان کی تحریروں نے ان نفسیاتی نتیجہ خیزیوں کو بھی کھو دیا جو آب حیات سے حاصل ہوتی تھیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ تمام ممکنہ مآخذ کو سامنے رکھ کر ناسخ کے شخصیاتی اور فنی خدوخال کو واضح طریقے پر پیش کر کے اس عظیم شخصیت پر تیز تر روشنی ڈالیں کہ انتخاب پیش لفظ سے مربوط ہو جائے۔

خاندان و ولادت | کے بارے میں کوئی یقینی اور تفصیلی حال نہیں ملتا۔ کہتے ہیں کہ لاہور وطن تھا اور خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے۔ جو لاہور سے فیض آباد گئے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ ولادت فیض آباد میں ہوئی یا لاہور یا لکھنؤ میں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں۔ کہ کریم بخش بساطی نے متبنیٰ کر لیا تھا۔ بعض خدا بخش کو مجازی باپ بتاتے ہیں۔ قدیم ترین مآخذ اور معاصر تذکرہ نگاروں میں مصحفی نے ریاض الفصحا میں لکھا ہے :۔

(الف) "خلف الرشید شیخ خدا بخش مرحوم وطن بزرگانش دار السلطنت لاہور وخودش در فیض آباد تولد شدہ[1]"

محسن نے لکھا ہے :۔

(ب) "خلف شیخ خدا بخش، وطن بزرگوں کا لاہور۔ ان کا مولد و مسکن لکھنؤ[2]۔"

ناسخ کا کہنا ہے :۔

(ج) "خدا بخش ... کے غلام مشہور تھے[3]۔"

بقول عشرت ناصر دہلوی کا بیان ہے کہ :۔

(د) .... فیض آباد میں پیدا ہوئے اور کریم بخش بساطی نے فیض آباد میں ان کو پرورش کیا[4]۔

رعمی نے کہا ہے :۔

---

[1] ص ۳۳۴ [2] سراپا سخن ص ۱۶۴ [3] سخن شعرا ص ۵
[4] آب بقا ص ۱۲۶

(۵) "ان کے والد لاہور سے گئے تھے بنفشہ اور زعفران وغیرہ اشیائے قیمتی کابل وکشمیر کی تجارت کرتے تھے۔ شیخ مرحوم بعالم خورد سالی ہمراہ تھے[۱]۔"

ان بیانات سے یہ تو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ان کے والد کا نام خدا بخش ہی بتایا جاتا ہے۔ مگر کریم بخش بساطی سے بھی کوئی تعلق تھا۔

اب رہا یہ کہ فیض آباد میں پیدا ہوئے یا لاہور یا لکھنؤ میں ؟ تو میری رائے میں مصحفی کی بات قابل تسلیم ہے کہ فیض آباد مولد ہے۔

تاریخ ولادت کا پتہ بھی چلنا دشوار ہے، کیونکہ مصحفی کہتے ہیں۔ "دیدمش سی وہفت سالہ است۔" اس کے معنے ہیں کہ ۱۱۸۴ھ میں پیدا ہوئے (ریاض کا زمانہ تالیف ۱۲۲۱ھ سے شروع ہوتا ہے) (۲) آزاد نے لوگوں کی زبانی چونسٹھ پینسٹھ برس کی عمر بتائی ہے[۲]۔ اس لیے ۱۱۹۰ھ (۱۲۵۴ھ میں انتقال کیا) (۳) اور رغمی کہتے ہیں کہ سو برس کے قریب عمر پائی۔ لہٰذا ۱۱۵۴ھ سال ولادت ہو گا۔

(۴) غضنفر کہتے ہیں کہ "عہد شجاع الدولہ ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء کے لگ بھگ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔"

اس کے علاوہ :

ناسخ نے سودا کا قطعۂ تاریخ کہا ہے

از وحشت آباد دُنیا   رفت بخلد رفیع سودا
گفتم سال وفاتش ناسخ   شاعر ہندوستان واویلا
۱۱۹۵ھ

---

[۱] سخن شعرا صہ ۵ [۲] قاموس المشاہیر میں ۶۵ برس کی عمر لکھی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ : ۴۔ رجب ۱۱۹۵ھ میں ناسخ فارسی پڑھ چکے اور فن تاریخ گوئی کو سمجھنے لگے تھے تو اگر مصحفی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ "بیس سال کی عمر سے فکر شعر ہندی کرتے ہیں[۵۱]" تو ۹۵ میں وہ بیس برس اور ۷۵ میں پیدائش قرار پائی۔ ۱۱۸۵ھ کو سال ولادت ماننے میں یہ خرابی ہے کہ دس برس کے سن میں ان کو اچھی خاصی استعداد کا شاعر ماننا ہوگا جو تقریباً ناممکن ہے۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ ۷۔ محرم ۱۱۸۰ھ[۵۲] (یا اس سے ایک دو سال آگے پیچھے) تاریخ پیدائش فرض کریں۔

خلاصہ یہ کہ :

۷۔ محرم ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء) (کے لگ بھگ) فیض آباد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت | ریاض میں ہے کہ لکھنؤ میں سن تمیز کو پہنچے۔ مگر گل رعنا اور آب بقا سے معلوم ہوتا ہے کہ فیض آباد میں ہوش سنبھالا۔ پہلوان اور بانکے بنے، نواب ترقی کے یہاں نوکر ہوئے اور ۱۱۹۱ھ[۵۳] میں لکھنؤ آئے۔

میرا خیال ہے کہ نہ وہ ترقی کے یہاں نوکر ہوئے نہ فیض آباد میں

---

[۵۱] "از سن بست سالگی بمقتضائے موزونی طبع فکر شعر ہندی می کند و در تلاش ہائے معنی تازہ می نماید" (؟) ص ۳۳۴

[۵۲] خود ان کا شعر ہے

رہے کیونکر نہ دل ہر دم نشانہ ناوک غم کا — کہ ہے میرا تولد ہفتم ماہ محرم کا

(دیوان اوّل)

[۵۳] آب بقا ص ۱۲۶

ہوش سنبھالا[۱]۔ لکھنؤ میں آئے یہیں رہے سہے صبح شام کی ادبی مجلسیں، دن رات کے علمی چرچے، انشا، قتیل، مصحفی، اختر، مرزا حاجی قمر وغیرہ کی صحبتوں میں شریک ہوئے اور قابل ذکر نام پایا کہ مولوی عبدالقادر رامپوری نے اپنے روزنامچے[۲] (مؤلفہ ۱۲۴۷ھ - ۱۸۳۱ء) لکھا ہے کہ:

"مرزا جعفر کے یہاں مشاعرے میں گیا۔ محمد حسین قتیل مصحفی اور میر نصیر دہلوی سرگروہ تھے اور شیخ امام بخش ناسخ کی ابتدائی شہرت و ناموری کا زمانہ تھا۔

اس کے بعد پھر ایک مرتبہ مصحفی کے گھر گیا جہاں تفصیلی ملاقات ہوئی، لوگوں کو "میر نجات" کی کتاب "گل کشتی" پڑھا رہے تھے۔"

اسی طرح قتیل نے اپنے ایک خط میں بھی ذکر کیا ہے[۳] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مشاہیر ادب کے یہاں آمد و رفت تھی اگرچہ صراحتاً تلمذ اور پڑھنے کا ذکر نہیں۔

---

[۱] لوگوں کے متعلقہ بیانات مشتبہ ہیں۔ ۲۔ حالات بتاتے ہیں کہ وہ تجارت پیشہ افراد سے وابستہ تھے۔ ۳۔ ان کے نفسیات کی خود سری بھی یہی چاہتی ہے۔

[۲] ترجمۂ حاشیہ دستورالفصاحت صد ۹۳

[۳] رقعات قتیل صد ۹۳ رقعہ ۱۸۱ طبع نولکشور ۱۸۶۹ء عبارت رقعہ یہ ہے۔
"لال بیگ رقعہ را در حویلی نو تعمیر میں کہ از دو سہ روز برائے ورود بعضے دوستاں ہمہ جا می نشینم، رسانید۔ آں وقت شیخ امام بخش ناسخ و میر سعادت علی رفیق مرزا حاجی صاحب و آقا صاحبان مخدوم نشستہ بودند۔"

داخلی اور خارجی ~~پیدائشی~~ شہادت کی بنا پر ان کے چند استادوں کے نام یہ ہیں:۔

درس و تدریس میں حافظ وارث علی جن سے فارسی کتابیں پڑھیں ان کے علاوہ آزاد کے بقول علماء فرنگی محل سے تحصیلی کتابیں حاصل کیں۔ آزاد کی اس معقول بات کو عبدالحی نے افسانہ بنایا کہ "حسن اتفاق سے مکان کے سامنے گلی بیچ مولوی وارث علی کا کمرہ تھا، وہ گھر بیٹھے طلبہ کو مفت درس دیا کرتے تھے۔ ان کو بھی شوق ہوا۔ جو کتاب وہ پڑھاتے اور ان کے مناسب و حسب حال ہوتی لے کر بیٹھ جاتے۔ اور روز کے روز سبق یاد کر لیتے اسی طرح رفتہ رفتہ اچھی خاصی استعداد ہو گئی[۵۱]" عشرت نے زیب داستان کے لیے کچھ اور بڑھایا کہ:

"..... میزان سے شمس بازغہ تک کے شاگرد ان کے پاس آتے تھے۔ ناسخ عربی سے بے بہرہ تھے جو کتابیں مولوی صاحب طلبہ کو پڑھاتے یہ اپنے کمرے میں وہی کتاب لے کر بیٹھ جاتے اور جو سبق ملتا اسے یاد کر لیتے۔ حافظہ اچھا تھا۔ کچھ دنوں میں عربی صرف و نحو حاصل کر لی۔ اسی طرح میزان سے شرح جامی تک پڑھ گئے[۵۲]۔"

---

۵۱ گل رعنا ص ۲۴۱

۵۲ آب بقا ص ۱۲۷ معلوم نہیں کہ میزان سے مراد میزان منطق ہے یا میزان الصرف۔ پھر مزے کی بات یہ کہ استاد پڑھتے تھے منطق فلسفہ شاگرد نے پڑھ لی صرف و نحو۔

دیوان میں ایک "تاریخ تولد فرزند جناب حافظ وارث علی صاحب"
ہے جس کے دو شعر ایسے ہیں جس سے عقیدت ٹپکتی ہے:

یافت چوں مخدومنا وارث علی پور خوش اقبال از فضل اله
گفت تاریخ تولد ہاتفے روز جمعہ بستم شوال ماہ

لیکن اس سے زیادہ عقیدت، محبت اور عظمت و تاثر وہ قطعات
ظاہر کرتے ہیں جو میرزا کاظم علی کی وفات پر لکھے ہیں۔ یہ قطعے بتاتے ہیں
کہ ان "قبلہ وکعبہ" محدث و مجتہد سے انھیں کوئی خاص ربط تھا۔ بلکہ
میں تو سمجھتا ہوں کہ حدیث و دین سے وہ دلچسپی جو مثنویوں کی شکل میں
ظاہر ہوئی (جن کے لیے مشہور کتب احادیث کا مطالعہ کیا گیا ہے)
خصوصاً وہ مثنوی جس میں فضائل علی نظم کیے ہیں) وہ سب انھی مولوی
کاظم علی صاحب کا طفیل ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ عشرت و عبدالحی نے جن کی وصیت سے
"ایک کثیر رقم" ملنے کا ذکر کیا ہے وہ بجائے میر کے مرزا ہوں۔
بہر حال بقول کلب حسین خاں نادر "واقف دقائق معقول و منقول" تھے۔
شعر و سخن میں بظاہر کسی غیر مشہور شخص کے رسمی شاگرد رہیں کہ
فنی شہرت کے بعد شاگردی کا ذکر چھوڑ دیا۔ تذکروں میں صاف صاف
ان کے کسی اُستاد کا نام نہیں۔ مصحفی محمد عیسیٰ تنہا سے مشورہ لینے کا ذکر کرتے
ہیں، کچھ لوگوں نے مصحفی کا نام بھی لیا ہے۔[۵]

---

[۱] آب حیات (حاشیہ گل رعنا ص۱۲۴) آزاد نے تردید کی ہے، میرت نے اثبات
کی طرف اشارہ کیا ہے حالانکہ منقولہ عبارت سے نہ تنہا کی استادی ثابت ہوتی ہے
نہ مصحفی کی۔ عبارت منقولہ یہ ہے: "حصہ نعمت ایں الوان بہ شیخ ناسخ کہ یکے از
دوستاں محمد عیسیٰ تنہا است بہ تقصیر ہم رسوخے دارد"

عشرت نے آزاد کی بات کو یوں لکھا کہ

" ناسخ سب سے پہلے میر تقی میر کی خدمت میں اصلاح کے لیے غزل لے گئے۔ انھوں نے بے توجہی سے اصلاح دینے سے انکار کر دیا۔ تو ناسخ نے مصحفی سے اصلاح لی اور عیسٰے خاں تنہا سے بھی[1]

آب حیات میں ہے :

شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے مگر ابتدا سے شعر کا عشق تھا۔ (مولانا زغمی فرماتے ہیں) مجھ سے خود شیخ صاحب نے آغاز شاعری کا حال نقل فرمایا کہ میر تقی مرحوم ابھی زندہ تھے۔ جو مجھے ذوق سخن نے بے اختیار کیا۔ ایک دن اغیار کی نظر بچا کر کئی غزلیں خدمت میں لے گیا۔ انھوں نے اصلاح نہ دی میں شکستہ ہو کر چلا آیا اور کہا کہ میر صاحب بھی آخر آدمی ہیں۔ فرشتہ تو نہیں۔ اپنے کلام کو آپ ہی اصلاح دوں گا۔ چنانچہ لکھنا اور رکھ چھوڑتا تھا۔ چند روز کے بعد پھر دیکھتا۔ جو سمجھ میں آتا اصلاح کرتا اور رکھ دیتا۔ کچھ عرصے کے بعد پھر نظر ثانی کرتا اور بناتا۔ غرض مشق کا سلسلہ برابر جاری تھا لیکن کسی کو سناتا نہ تھا۔ جب تک خوب اطمینان نہ ہوا مشاعرہ میں غزل نہ پڑھی نہ کسی کو سنائی۔ مرزا حاجی صاحب کے مکان پہ مشاعرہ ہوتا تھا۔ سیّد انشا۔ مرزا قتیل۔ جرأت۔ مصحفی وغیرہ سب شعرا جمع ہوتے تھے۔ میں جاتا تھا سب کو سنتا تھا مگر وہاں

---

[1] آب بقا صہ ۱۲۷ (دعوے میں کئی غلطیاں ہیں)۔

کچھ نہ کہتا تھا۔"

"جب زمانہ سارے ورق اُلٹ چکا اور میدان صاف ہو چکا تو میں نے غزل پڑھنی شروع کی۔ اس موقع پر مرزا حاجی صاحب قاضی مرزا قتیل اور حاجی محمد صادق اختر نے بڑی قدردانی کی اور ان کے دل بڑھانے سے کلام نے روز بروز رنگ پکڑنا شروع کیا۔"

خواجہ حیدر علی آتش شیخ مصحفی کے ارشد تلامذہ نے محاورہ بندی میں نام نکالا۔ ایک دفعہ کئی مہینے کے بعد فیض آباد سے آئے۔ مشاعرے میں جو میری غزلیں سُنیں تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھایا اور اسی دن سے بگاڑ شروع ہوا۔"[ا]

کلب حسین خاں نادر نے "تلخیص معلّی" میں لکھا۔ "یہ اوری طبع وقاد و برسائی ذہن نقاد کسی کے شاگرد نہ تھے۔ ص۲۷

مگر کلیات میں "مرزا مغل" کو دو تین مرتبہ استاد کہا ہے اگر یہ مرزا مغل سبقت ہیں تو پھر بظاہر یہ سارا قصہ ہی طے ہو جاتا ہے کیونکہ مرزا سبقت جرأت کے مشہور شاگرد اور عربی کے فاضل آدمی اور لکھنؤ میں رہتے تھے[۲]۔ سعادت خاں ناصر: تذکرۂ خوش معرکہ زیبا

دو قطعوں میں سے پہلا قطعہ نقل کیا جاتا ہے کہ اس خیال پر

(حاشیہ: ص۳۴۶ ... نسخ ... [illegible])

[ا] آبِ حیات ص ۳۲۵-۳۲۶ یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ نغمۂ عندلیب میں ناسخ کو آتش یا مرزا اکرم کا شاگرد بتلایا گیا ہے ص۲۵

[۲] مخزنِ نکات ص۲۸۸

روشنی پڑ سکے۔

چوں میرزا مغل اے وائے مرد ناگاہ
دل گفت صبر و تابم بر د استادم افسوس
مصراع سال فوتش ناسخ رقم نمودم
افسوس وائے وائے مرد استادم افسوس ۱۲۲۹ھ

اس کے بعد یہ کہ ان کی غزلیں بتاتی ہیں کہ وہ میر اور درد کے خاص طور پر مداح ہیں۔ میر کے لیے تو یہاں تک کہا ہے کہ

میں ہی اے ناسخ نہیں کچھ طالب دیوان میر
کون ہے جس کو کلام میر کی حاجت نہیں

تصانیف ان کی تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خاصے پڑھے لکھے اور فاضل آدمی تھے۔ اردو زبان کے لیے اس وقت دو قسم کے لوگ تھے، قتیل انشا اور یکتا کی رائے ہے[1] عوامی تلفظ کو اپنانا اور بعض ثقہ قسم کے عربی دان صحیح اور اصلی تلفظ کے حامی تھے، ناسخ دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس مسلک پر انھوں نے اجتہاد بھی کیا اور "بانی طرز جدید، واضع قواعد مفید" بن گئے۔

ان کے علمی اور فنی مظاہر سات کتابوں پر مشتمل ہیں۔

تین دیوان:

۱- دیوان ناسخ (۱۲۳۲ تک کا کلام) (۲) دفتر پریشان۔

---

[1] تلخیص معلی ص ۲۶

(۱۲۴۷) (۳) دفترِ شعر (۱۲۵۴) یہ دیوان مع مثنوی قطعات و رباعیات دیوان ثانی میں شامل ہے۔ چنانچہ طبع اول میں ہے کہ:
"دیوان مسمیٰ بہ دیوان ناسخ در متن، و دیوان دوم مسمّٰی بہ دفترِ شعر بر حاشیہ و دیوان سوم مسمی بہ دفترِ شعر بر حاشیہ۔ در ہر ردیف بہ ضمیمۂ دفترِ پریشان، و مثنوی و رباعیات و تاریخہا نیز در متن، و بعضے از تاریخہا و رباعیات بر حاشیہ" (طبع اول مطبع محمدی لکھنؤ ۱۲۵۸ھ بفرمائش میر حسن رضوی مالک مطبع حسنی)

شائع شدہ مثنویاں:

(۱/۴) میلادِ نبی (نول کشور پریس) (۲/۵) مثنوی ناسخ (طبع اوّل کے ساتھ، طبع دوم مع مقدمہ و ضمیمہ بنام "مثنوی ناسخ" از حبیب اللہ خاں غضنفر۔ (۱۹۳۱ء میں کتابستان الہ آباد، ٹائپ سے چھپی)

اس مثنوی میں چالیس روایات فضائل علیؑ اور چالیس عنوانات ہیں۔ چوہتر صفحے اور سات سو سے کچھ زیادہ شعر ہیں غضنفر صاحب نے سنہ تالیف ۱۲۵۰ھ معین کیا ہے۔ (۳/۶) "شہادت نامۂ آل نبی" یہ مثنوی بھی مذکورہ بالا مثنوی کے چھوٹے سائز کے اڑتالیس صفحوں انیس سطر پر دسمبر ۱۸۸۱ء نول کشور پریس کانپور سے چھپی اس کے عنوان بھی چالیس ہیں اور واقعات کربلا از اول تا آخر نظم ہیں۔
(۴/۷) سراج نظم[۱] معروف بہ "مفضل" (ابن عمر صحابی امام جعفر صادقؑ)

۱۔ جیسے آزاد، عبدالباری عسکری، عشرت، غضنفر جیسے لوگوں نے "نظم سراج" لکھا ہے حالانکہ سرورق پر نام اگرچہ صاف نہیں لکھا ہے مگر مصرع یہ ہے نام اس کا سراج نظم ہوا کاتب نے نام کو طغرا بنانا چاہا ہے جس کی وجہ سے یہ غلطی ہوئی ہے

کی ایک بڑی روایت جس میں اسرار و رموز خلقت و توحید سے بحث کی گئی ہے) کا منظوم ترجمہ جسے رشک ہی نے تاریخی نام کے ساتھ لکھنؤ کے مطبع محمد حسین میں بڑے بڑے سائز کے چار کالموں کے بڑے مسطر پر چھپوائی۔ یہ طویل ترین و عجیب مثنوی تقریباً چونتیس سو اکاون اشعار پر مشتمل ہے۔

(۵/۸) منہاج العروض

(۶/۹) رسالۂ قافیہ اس کا نام مذکور نہیں۔ جناب مسعود حسن صاحب ادیب نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں ان دونوں رسالوں کے بارے میں مجھے لکھا ہے۔

"ایک عروض میں اور ایک قافیے میں میرے پاس موجود ہیں۔ دونوں حضرت آرزو مرحوم کے والد یاس لکھنوی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ دونوں فارسی زبان میں ہیں، مثالیں بھی فارسی اشعار سے لی گئی ہیں۔ یہ دونوں رسالے حضرت آرزو نے مجھ کو یہ کہہ کر عنایت فرمائے تھے کہ یہ شیخ ناسخ کے تصنیف کیے ہوئے ہیں۔ رسالۂ عروض کا نام ہے منہاج العروض مصنف کا نام کہیں درج نہیں ہے۔ دوسرے رسالے کا نام معلوم نہیں۔ مگر اس کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:

"مؤلف این رسالۂ شریفہ و عجالۂ منیفہ، استاد الکل جناب جنت مآب شیخ امام بخش صاحب ناسخ مبرور طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ است۔"

عام حالات وسوانح

یہ معلوم ہے کہ ان کے والد اچھی حیثیت کے تاجر تھے اور بقول مصحفی خود ناسخ بھی ابتدا میں تاجر پیشہ اور باحیثیت آدمی تھے۔

"گومتی کے کنارے ایک بزرگ "شاہ نصرت اللہ خلوتی" کا روضہ اور سُنّی حضرات کا پرانا قبرستان ہے۔ یہیں دو قبریں ہیں جن میں سُنّی طرز کی دو قبریں الگ الگ بنی ہوئی ہیں۔ ایک کے سرہانے طاق پر ایک پتھر لگا ہے جس پر کندہ ہے:

"بیگم اطہرام ناسخ" اور دوسری قبر کے طاق میں "گور پدر جلیل ناسخ"

دیوان دوم کے ص ۲۳۹ پر "تاریخ وفات والد مصنف" ۱۲۱۹ یہ ہے۔

والدمن زیں جہاں رحلت نمود یا الہ العالمیں مغفور باد
گفت ناسخ سال تاریخ وفات یا رسول ہاشمی محشور باد

گویا شیخ صاحب بچپنے ہی میں ماں کے سائے سے محروم ہو گئے تھے اور اچھی خاصی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھا جس کے بعد ان کے چچا انھیں ابنیت سے خارج کرنا اور قتل کرنا چاہتے تھے۔ زہر بھی دیا اور مقدمہ بھی چلایا۔ مگر ناسخ دونوں حملوں سے بچے اور خوش ہو کر دو رباعیاں نہیں۔

کہتے رہے اعمام عداوت سے غلام   میراثِ پدر پائی مگر میں نے تمام
اس دعوئے باطل سے ستم گاروں کو   حاصل یہ ہُوا کر گئے مجھ کو بدنام

اس زمانے میں وہ شہر کے باعزّت نوجوان تھے اور وضع قطع کا یہ عالم کہ:

"جوان سپاہی وضع، حلیم الطبع و مہذب الاخلاق" (ریاض ص ۳۳۴)

مرزا حاجی (نواب قمرالدین خاں) قتیل اور اپنے فن کی وجہ سے شہر کے رؤسا تک رسائی ہوئی، انور علی، اسد علی، محسن الدولہ اور آغا میر سے راہ و رسم اور تعلقات قائم ہوئے۔ آدمی تھے سمجھدار اور عقلمند۔ غازی الدین حیدر ۱۲۳۴ھ میں تخت نشین ہوئے۔ تو ناسخ نے قطعہ تاریخ کہا جس کا مصرعہ تھا

"بگو ناسخ کہ ظل اللہ گردید"

یہ معلوم نہیں کہ آغا میر اب تک شاگرد ہو چکے تھے یا نہیں؟ بہرحال اسد علی کی سفارش[۵۱] یا اپنے مدحیہ قصائد کے صلے میں سو روپیہ مہینہ وظیفہ مقرر ہو گیا (آب حیات کی روایت ہے کہ آغا میر نے ایک قصیدے کے صلے میں سوا لاکھ روپے دیئے[۵۲])

ناسخ نے معتمدالدولہ آغا میر اور دوسروں کی تعریف میں قصیدے

---

۵۱ مقدمہ در مثنوی ناسخ از غضنفر

۵۲ آب حیات ص ۳۶۸ اگرچہ جس موقعہ پر آزاد نے یہ ذکر لکھا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ چوری ۳۱-۱۸۳۰ء / ۱۲۴۶ھ میں ہوئی جبکہ آغا میر شہر بدر تھے۔

کہے ہوں گے لیکن وہ شائع نہیں ہو سکے (اسی وجہ سے غالب وغیرہ نے (ثنوی) اور قصیدہ و رباعی نہ ملنے کی بنا پر) یک فنا لکھا ہے) جناب ادیب کے پاس جو غیر مطبوعہ ذخیرۂ ناسخ ہے اس میں کئی فارسی قصیدے اور متعدد اردو غزلیں اور ثنویاں وغیرہ ایسی ہیں جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں۔ ایک نسخے کے آخر میں نواب معتمد الدولہ کی مدح میں ناسخ کا ایک فارسی قصیدہ درج ہے: یہ تیرہ بیٹھ شعر صنعت توشیح میں ہیں۔ اس کے ہر مصرعے کا پہلا حرف لے لینے سے "یہ عبارت بنتی ہے:

"مدار المہام، عمدۃ الامرا، فرزند ارجمند، یار وفادار، سپہ سالار، نواب معتمد الدولہ، مختار الملک، سید محمد خاں بہادر ضیغم جنگ، فدوی شاہ زمن بادشاہ غازی، خلد اللہ ملکہ"

اس قصیدے کے ابتدائی شعر یہ ہیں:

مدیح زبدۂ اولاد حیدر کرار — دلا وسیلۂ خیر و صلاح خود پندار
اگر اطاعت حکم مودت قرباست — رہ نجات ز اغوائے ایں و آں مگذار
ازیں عمل عملے نیست خوب تر کہ خدا — لب و دہاں و زباں داد بہر ایں گفتار
مرا گلے ست بہار حدیقۂ عالم — ہزار بار بگویم بباغ پیش ہزار
اناں گل است ہمہ قبض و بسط غنچہ گل — معطر است ببویش مشام ہر گلزار

کچھ دنوں کے بعد مدار المہام معتمد الدولہ معزول اور حکیم مہدی علی خاں منتظم الدولہ وزیر اعظم ہوئے۔ معتمد الدولہ کے ساتھ ان کے وابستگان دولت بھی معتوب ہوئے۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر ناسخ کو بھی ان سے کچھ پرخاش تھی اس لیے گرفتہ ہیں آئے اور آخر کار ۱۲۳۵ھ میں وہ خانہ نشیں

بھی کیے گئے اور قتل و قید کی زد میں بھی آئے:

گشتم چوں بخانہ قید گفتم تاریخ ہے ہے افسوس خانہ زنداں گردید
للہ الحمد کہ ماند محفوظ سر ز تیغ و قدم از بند بلا
سال ایں رد بلا اے ناسخ گشت مرقوم کنم شکر خدا

دونوں قطعے بتاتے ہیں کہ ناسخ لکھنؤ میں پریشان حال رہے، یہاں تک کہ حکیم صاحب معزول ہوئے اور انہوں نے "شکر خدا" کیا۔ اور "کا شو برائے پختن شلغم گر یختہ" والی غزل، ہجو یا قطعہ کہہ کر آغا میر کے یہاں سرخروئی حاصل کی۔ اسی سال انہیں باری کا بخار اور نزلہ عارض ہوا[۱۰]۔

۳۶ سے ۴۲ تک آغا میر کی وزارت رہی اور شیخ صاحب بامن و عافیت لکھنؤ میں بیٹھے رہے۔ ۱۲۳۸ھ میں مرزا حاجی اسد الدولہ مرزا قمر الدین احمد شاہی عتاب اور آغا میر کے شکنجے میں آکر شہر بدر کیے گئے۔ ناسخ نے اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر قطعۂ تاریخ کہا:

ربیع ثانی دو از دہم خوار قمر شد ہائے افسوس
گفتم سال اخراجش شہر بدر شد ہائے افسوس

نصیر الدین حیدر بادشاہ ہوئے اور مخدوم و محسن معتمد الدولہ، وزیر اعظم۔ ناسخ نے تاریخ جلوس۔ وزارت لکھی جس کا آخری مصرعہ تھا
"شہ اسکندر و وزیر ارسطا طالیس"

---

[۱۰] کلیات دیوان دوم ص ۲۳۷ قطعات صحت مصنف

سیاست کی طرح شیخ صاحب کی قسمت کو بھی سکون نہ ملا۔ کچھ دن
بعد فضل علی، اعتماد الدولہ بن کر وزیر اعظم اور ناسخ وابستۂ دولت
آغا میر ہونے کی وجہ سے زد میں آ گئے۔ شاہی چوبدار انہیں دربار
لے جانے کے لیے آیا۔ انھوں نے کسی طرح اس کو بٹھایا اور
خود " درباری لباس پہننے ، ادھر پگڑی درست کرنے کے بہانے
موقعہ ڈھونڈنے لگے ادھر چوبدار شربت پانی کی فکر میں لگا۔ شیخ
صاحب موقعہ پا کر نکل کھڑے ہوئے۔ اور فقیر محمد خاں کے یہاں
پہنچ گئے۔ انھوں نے منشی کنج بہاری لال کے میانے میں پردہ
ڈال کر زنانی سواری کی طرح " کول ہاراں " بھیج دیا۔ وہاں سے کانپور
ہوتے ہوئے الہ آباد پہنچے[1]۔ شاہ اجمل کے خاندان سے تعلقات
اچھے تھے اس لیے وہیں ٹھہرے۔

دیوان میں ایک قطعہ تاریخ سے " گویا " کے اس احسان کی
نشان دہی تو ہوتی ہے مگر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں
وہ " قید خانہ " میں بھی رہے کہ :

شدم محبوس چوں در خانۂ خویش — خلاصم داد یک مرد بزرگے
چنیں تاریخ خواندم در حضورش — رہا نیدی مرا از دست گرگے

اگرچہ معلوم نہیں یہ " گرگ " کون تھا اور وہ " مرد بزرگ " کون ؟
بہر حال وہ الہ آباد گئے اور اجمل کے دائرے میں ٹھہرے

---

[1] گل رعنا ص ۳۵۱ ، لیکن یہ واقعہ وزارت حکیم مہدی کا نہیں جیسا کہ
عبد الحی نے غلطی سے لکھا ہے۔

جہاں عزت بھی تھی اور سکون بھی۔ شاگردوں نے بادشاہوں کی طرح دریا دلی دکھائی کہ تین گھرانے اور تینوں کے یہاں سے وقت معمول پر اعلیٰ سے اعلیٰ خوان آتے۔ ایک خوان شاہ ابو المعالی کی سرکار سے آتا تھا۔ اس میں ہر قسم کے امیرانہ اور عمدہ کھانے ہوتے، ایک خوان سید علی جعفر (شاہ صاحب کے بہنوئی) کے یہاں سے۔ ایک خوان شاہ غلام حیدر صاحب کے یہاں سے آتا تھا۔ اس کے باوجود ان کا باورچی ذاتی باورچی خانہ الگ گرم کرتا تھا[1]

یہاں مشاعروں کی گرما گرمی اور گنگا جمنا کے سنگم کا نظارہ دلچسپ ہونے کے باوجود شیخ صاحب کو نہ بھایا۔ لکھنؤ کی یاد، عزیزوں کی جدائی، حکومت کی سختی، خطوط احباب کی ضبطی و نارسائی[2] حد سے زیادہ پریشان کن چیزیں تھیں پھر اتفاق یہ ہوا، کہ

ایک دن دائرے کی ڈیوڑھی کے اوپر والے کمرے میں بیٹھے یا لیٹے تھے کہ سینے پر سانپ گرا[3] ناسخ نے اس واقعے پر جو تاریخی مصرعے کہے ہیں وہ بہت درد انگیز ہیں:

یا علی آوردہ ام پیش تو فریاد از فلک — میرود ہر لحظہ بر من جور و بیداد از فلک
مار چوں بر سینہ ام افتاد سال نحس آں — گفت دل مارے بسینہ ہے ہے بیفتاد از فلک

اسی حالت میں گھر سے خط آیا کہ لڑکا چیچک سے صحتیاب ہوا۔[4]
سنہ ۱۲۲۴ھ ہی میں ایک اور قطعہ تاریخ کہا جس سے معلوم ہوتا ہے ان

---

[1] آب حیات صفحہ ۳۶۸
[2] ان تمام باتوں کے اشارے دیوان میں موجود ہیں
[3] آب حیات صفحہ ۳۶۹، دیوان دوم صفحہ ۲۲۶
[4] کلیات صفحہ ۲۲۷

کا لڑکا آتش بازی سے جل کر مر گیا۔

نامہ ام از وطن رسید امروز — کاندراں است ایں خبر جاں سوز
یعنی آں نو بہار گل رخسار — داد سر چوں انار آتش بار
بطفیل ما یک خلد و جحیم — نار را کرد باغ ابراہیم
سال تاریخ طبع کامل ما — زد رقم "حیف سوختہ دل ما" ۱۲۴۴ھ

دوسری تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دربدری میں ۲۷ محرم ۱۲۴۵ھ کو بھائی فوت ہوئے جن کا تاثر ان الفاظ میں ادا کیا:[۲]

محرم شب بست و ہفتم دریغا — رسیدہ اجل بر سر غمگسارم
چو یک پاس ماند از شب پنجشنبہ — سوئے خلد رفت آں شکیب و قرارم
دلا از پئے سال تاریخ فوتش — بگو حیف ہیہات اے دوستدارم ۱۲۴۵ھ

اگرچہ زیادہ تر الہ آباد ہی میں رہے مگر (آغا میر کی وجہ سے) کانپور بھی گئے اور رہتے رہتے یہ خیال آیا:

جو کان پور سے ناسخ چلو بنارس کو — مزار پاک جناب علی حزیں دیکھو

ان کے سفری مقامات میں فیض آباد۔ بنارس، عظیم آباد۔ پٹنہ کا بھی ذکر ہے[۱]۔ حیدر آباد خود تو نہیں گئے مگر ذکر پہلے سے تھا۔ مہاراجہ چندو لال نے بارہ یا پندرہ ہزار روپیہ بھیجا اور بڑی منت سے بلایا۔ مگر یہ نہ گئے، مہاراجہ کا بھیجا ہوا روپیہ یہیں کسی کے پاس رکھوا دیا، شاید اس گفتگو سے پہلے یا بعد (۱۲۴۴ھ) نظام دکن

---

[۱] گل رعنا، آب حیات ص ۳۵۲ [۲] دیکھیے دوسرا قطعہ ص ۲۲۱

کی وفات ہوئی اور انھوں نے تاریخ کہی (ص ۲۲)

"دکن تاریک شد اے وائے افسوس"

حکیم مہدی علی خاں سے ناقابل فراموش پرخاش تو تھی ہی ۱۲۴۵ھ میں فضل علی کی وجہ سے حکیم صاحب لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ تو انھوں نے "بازگر ریختہ" کی پھبتی کسی۔ جب فضل علی کا انتقال ہوا اور حکیم صاحب ۱۲۴۶ھ (سنہ ۱۸۳۰ء) وزارت کے لیے طلب ہوئے تو خیال ہے کہ یہ زمانہ بھی ناسخ کو باہر گزارنا پڑا۔ دوشنبہ ۵ ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۲ء) میں آغا میر نے انتقال کیا۔ لیکن ناسخ کا قطعہ تاریخ کوئی بڑا تاثر نہیں ظاہر کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وابستگی ختم کر چکے تھے۔ اس کے برخلاف جب ۷ ربیع الاول ۱۲۴۸ھ میں حکیم صاحب معزول ہوئے تو شیخ صاحب اچھل پڑے اور بڑی اچھی تاریخ کہی:

افتاد حکیم از وزارت — تاریخ بطرز نو رقم کن

از جائے حکیم ہشت برگیر — سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

یہ ناقابل بیان زحمتیں اٹھانے کے بعد حاصل یہ ہوا:

رنج دیتے ہیں مجھے ناسخ یہ دجّالانِ شہر

اور

حسرتِ اقبال میں ہم خانہ ویراں ہو گئے

نصیر الدین حیدر کے بعد محمد علی شاہ ۴ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ

---

۲۵ تاریخ اودھ نجم الغنی۔ گل رعنا نے اس موقع پر ٹھوکر کھائی ہے۔

کو تخت نشین ہوئے روشن الدولہ کی وزارت تھی مگر ۲۷ جمادی الآخر ۱۲۵۳ھ[1] کو حکیم مہدی علی فرخ آباد سے آکر وزیر ہوئے۔ حبیب اللہ اور عبدالحق نے لکھا ہے کہ ناسخ پھر الہ آباد گئے۔ مگر کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کیونکہ چار مہینے بعد (رمضان ۱۲۵۳ھ) حکیم صاحب وفات پا گئے۔ پھر یہ کہ دیوان میں اس کثرت سے قطعات تاریخ و دُعا و مدح ہیں جن کو دیکھ کر یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ دربار میں بہت زیادہ اثر و رسوخ قائم کر چکے تھے۔ اس دور میں ان کے درباری قطعات بہت زیادہ ہیں۔ جو تاریخ جشن، سالگرہ، تاریخ تولد، تاریخ دروازہ امام باڑہ، تاریخ امام باڑہ، سبیل، تسبیح خانہ، حمام، سڑک، چاہ، نہر مبارک باد عید الضحیٰ پر مشتمل ہیں۔ تقریباً بیس قطعے اور ہر قطعے میں فقط بادشاہ کی تعریف بتاتی ہے کہ محمد علی شاہ سے براہ راست ربط و تعلق تھا اور یہ تعلق ایسا تھا کہ بادشاہ سے خلعت بھی پایا جس کے شکریے میں گیارہ شعر کا ایک قطعہ کہا۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

گدا خلعت فاخرہ یافتہ بدستار پشمینہ زربافتہ
زبس عزت خویش انگاشتہ علم از تفاخر برافراختہ

غرض دربار سے سو روپے مہینہ اور خلعت پاکر آبرو حاصل کی۔ حکیم صاحب کی وفات (جس کی تاریخ کہی تھی
"شب ولادت عیسیٰ بمرد ایں دجّال")

---

[1] تاریخ اودھ حصہ ۳ ج ۴

سے اگرچہ راستہ صاف ہو گیا تھا، مگر یہ ان کی بھی زندگی کے آخری دن تھے۔ (گل رعنا کے مصنف نے غلطی سے یہ لکھ دیا کہ ہر سال جلوس کے قطعہ پر خلعت پاتے تھے۔ امجد علی شاہ مذہبی آدمی تھے شاعروں کو دینا شاید گناہ سمجھتے ہوں انھوں نے تنخواہ بند کر دی)[۱]

وفات | ۱۲۵۴ھ میں انتقال کیا اور ٹکسال والے سکونتی مکان میں دفن ہوئے۔ یہ مکان اب تک باقی ہے اگرچہ مدت ہوئی کہ وارثوں نے بیچ ڈالا۔ مگر تقسیم ہند سے پہلے تک ان کی زمین دوز شیعہ طرز کی قبر محفوظ تھی۔

اہل و عیال | آزاد نے لکھا ہے کہ یہ جنجال ہی نہ رکھا تھا، عبدالحی نے قیصر التواریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ دو بیٹوں کو اچھی تعلیم دلوائی۔ حکیم زین العابدین اُن کا بیٹا مرزا محمد علی کا شاگرد طبابت کرتا اور خوش چلنی سے بسر کرتا تھا۔ اُن کے قطعات سے زمانہ جلاوطنی ۱۲۴۳ھ میں لکھنؤ سے لڑکے کے جلنے[۲] چیچک سے شفا پانے اور کسی دوسری بیماری سے اچھا ہونے کی اطلاع ملتی ہے۔ اب معلوم نہیں کہ وہ اُن کے لڑکے ہیں یا کسی اور کے اور یہ کہ وہ ایک سے زیادہ ہیں یا ایک۔

بھائی | اسی طرح دو قطعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شبِ پنجشنبہ ۲۷ محرم ۱۲۴۵ھ کو اُن کے بھائی کا انتقال ہوا تھا۔

اخلاق و عادات | آزاد نے ان کا نقشہ یہ بنایا ہے:

---

[۱] ص ۳۵۱ [۲] دیوان ص ۲۳۱ [۳] دیوان ص ۲۱۹

"بلند بالا - فراخ سینہ - مُنڈا ہُوا سر - کھاردے کا لنگ باندھے بیٹھے رہتے تھے۔ جیسے شیر بیٹھا ہُوا ہے۔ جاڑے میں تن زیب کا کُرتا - بہت ہُوا تو لکھنؤ کی چھینٹ کا دوہرا کرتا پہن لیا۔"[1]

ناسخ کے کلام کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ خشک مزاج، نازک دماغ، خوش اخلاق اور دوستوں کے دوست تھے، ادب قاعدوں کے پابند اور وضعدار آدمی تھے۔ کبھی کبھی اپنے خیالات میں ایسے محو ہوتے کہ ناواقف شخص بد دماغ جاننے لگتا تھا:

سیّد مہدی حسن فراغ ایک دن شیخ صاحب کی خدمت میں گئے تو دیکھا۔ چوکی پر بیٹھے نہا رہے ہیں، آس پاس چند احباب مونڈھوں پر بیٹھے ہیں۔ یہ سامنے گئے اور کھڑے ہو کر سلام کیا۔ انھوں نے بھاری آواز سے پوچھا: کیوں صاحب! کس طرح تشریف لانا ہُوا؟" انھوں نے کہا: ایک فارسی کا شعر کسی اُستاد کا ہے اس کے معنے سمجھ میں نہیں آتے!" فرمایا میں فارسی کا شاعر نہیں۔" یہ کہہ کر اور شخص سے باتوں میں لگ گئے۔

خانہ باغ کے بنگلے میں بیٹھے فکر سخن میں مصروف تھے، کہ ایک صاحب وارد ہو گئے۔ کچھ دیر بعد اُٹھے اور ٹہلنا شروع کیا، وہ جمے بیٹھے رہے۔ آخر یہ بھی بیٹھ گئے۔ پھر کسی بہانے سے کہیں چلے گئے، واپس آئے تو یہ پھر جلوہ افروز، آخر عاجز آکے چلم سے ایک چنگاری اُٹھائی اور چھپر میں رکھ دی، وہ صاحب

---

[1] آب حیات صفحہ ۳۴۲

گھبرا کر یہ کہتے اُٹھے کہ حضور مکان میں آگ لگ رہی ہے، شیخ صاحب نے ہاتھ پکڑ لیا کہ آپ جاتے کہاں ہیں۔ میرے مضامین کو جلا کر خاک کیا اب ہم بھی یہاں راکھ کا ڈھیر ہوں گے[1]۔

ان کا عام معمول یہ تھا کہ

"پہر رات رہے سے ورزش شروع کرتے اور بارہ سو ستانوے یا کچھ زیادہ (جیسا موسم ہو) ڈنڑ لگاتے تھے۔ صبح کو فارغ ہو کر نہاتے اور صاف شفاف صحن میں مونڈھوں پر یا کمرے میں فرش پر بیٹھتے۔ حقّے کا شوق تھا، طرح طرح کے حقّے لوگوں کے سامنے لگے ہوئے۔ دوپہر تک ملاقات۔ شاگردوں اور دوستوں سے ملاقات، خطوں کے جواب[2] دیتے۔ اس کے بعد کبھی اندر اور کبھی کبھی احباب کے ساتھ کھانا کھاتے۔ دسترخوان پر طرح طرح کے سالن، دالیں، اچار، مربے اور لذیذ چیزیں ہوتی تھیں۔ فساد خون کے مریض تھے اس لیے بیسنی روٹی بھی کھاتے، ورزشی ہونے کے علاوہ ایک وقت کھانے کے عادی تھے اس لیے خوب اور بہت کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے ہمزاد کو شریکِ دسترخوان

---

[1] آبِ حیات ص ۳۶۴ یہ لطیفے ناسخ کے نفسیات کو اجاگر کرتے ہیں اور آپ کے پڑھنے کے قابل ہیں۔

[2] دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ خط و کتابت میں حاتم تھے اور یہ مصروفیت جلاوطنی میں بڑھ گئی تھی۔

کیجیے کس وقت اے ناسخ بھلا فکرِ سخن　　　　نامے لکھنے سے کبھی فرصت نہیں ہوتی ہمیں

بتلاتے تھے، اُنھوں نے خود بھی اپنی اس صفت کو ظاہر کیا ہے ؎
بڑا اکال ہے ناسخ، غمِ عالم فراہم کر ارادہ ہے اگر اے چرخ اس کی میہمانی کا

طریقۂ اصلاح عصر کے وقت پھر جلسہ گرم ہوتا، علم و ادب، بہادری اور ورزش، شہر کی سیاست پر باتیں ہوتیں شاگردوں کو زبان و عروض کے نکات بتاتے۔ طریقہ یہ تھا کہ:

آپ تکیے سے لگے بیٹھے رہتے لوگ اپنی اپنی جگہ ادب سے بیٹھے ہوتے ہیں کچھ لکھتے لکھتے کاغذ ہاتھ سے رکھ دیتے، پھر کسی سے کہتے "ہوں" وہ غزل شروع کرتا۔ کسی شعر میں کوئی لفظ قابلِ تبدیل یا پس و پیش کا محتاج ہوتا تو خیر۔ ورنہ پھر سے کہنے کا حکم دیتے۔

نواب اصغر علی خاں اعجاز نے حضرت زینب کے صاحبزادوں کے حال میں مرثیہ کہا۔ ایک بند کی ٹیپ تھی ؎

کہا کچھ عذر نہ باقی رہا، ہوا میں تباہ
چلے ہیں شام کی بدلی میں میرے غیرت ماہ

چونکہ پہلے مصرعے میں عین گرتا تھا اس لیے پہلا مصرع یوں بنایا ع

"کہا کہ عذر نہ باقی رہا، ہوا میں تباہ"

اور حاشیہ پر لکھا "سبحان اللہ جناب مصرعہ ناموزوں فرمودن ہم خوب می دانند۔ بندہ نمی دانست"

برق کی شہرت کا آغاز تھا، اُستاد کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ شیخ صاحب نے پوچھا: "آج کل کوئی نئی غزل کہی"؟ برق نے عرض کی: "جی ہاں! کل شب کو ایک مشاعرے میں مزار ہیں، بہار ہیں۔

ایک غزل میں نے بھی پڑھی، اور حضور ایک شعر تو ایسا پسند کیا گیا کہ کیا عرض کروں، بڑی داد ملی! اُستاد نے کہا: "بھئی ہمیں بھی سُناؤ!" برق نے فخریہ رنگ میں پڑھا:

اس گل نے ایک رات جو پہنا تو بس گیا
بوئے گلاب آتی ہے موتی کے ہار میں

شیخ صاحب سُن کر چُپ ہو گئے، برق نے شرمندہ ہو کر پُوچھا: "حضور کیا کچھ نقص ہے؟" فرمایا: ہاں بھئی یہی سوچ رہا ہوں۔ اوّل تو گلاب کے لغوی معنے عرق گل کے ہیں۔ دوسرے گلاب کے پھولوں کا ہار سوائے ان لوگوں کے جو کسی مندر یا مٹھ کے پجاری ہوں کسی اور کو پہنتے نہیں دیکھا۔ کوئی شریف مرد آدمی گلاب کے پھولوں کا ہار نہیں پہنتا۔ مصرع یوں بنا دو ؏

"بو موتیے کی آتی ہے موتی کے ہار میں"[۱]

آخری عمر میں ان بکھیڑوں سے چھٹی پا کر "ٹکسال" کے پھاٹک کی ایک دکان پر جا بیٹھتے جہاں دو چار بچے پیسوں کے لالچ میں ان کے پاس آتے، یہ انھیں چھیڑتے اور پیسے دیتے، اور دل بہلاتے۔

قریب شام نواب محسن الدولہ کی عمارت سے ہوتے ہوئے "شاہ بینا" "حاجی حرمین" کے راستے گومتی کے کنارے کنارے شیخن دروازے کی طرف جاتے۔[۲]

۱؎ حسن خیال صہ ۱۰۳-۱۰۲
۲؎ آب بقا صہ ۱۲۸

دوستوں کا کام اور غریبوں کی خدمت کرنے سے نہ بھاگتے تھے۔
غالب کے ایک خط[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ باہر کے ملاقاتیوں کے معاملات میں بھی قدمے سخنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ ہم پیشہ و معاصر لوگوں کی عزّت کرتے تھے۔
رند نے اپنے استاد آتش کو چھوڑ کر ان کی شاگردی چاہی شیخ صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اس خدمت سے معذور ہوں۔ اگرچہ ان سے اس قسم کے غیر رسمی تعلقات رکھتے تھے۔ کہ منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کے علاوہ اُن کے حالات و کلام میں کسی کی ہجو نہیں ملتی۔ جاہ طلب ہونے کے باوجود لالچی نہیں تھے۔ پریشانیوں میں بھی گھبراہٹ سے دُور اور لالچ سے بے تعلق تھے۔ مہاراجہ چندولال نے ہزاروں روپے اور عزّت و حرمت کا یقین بھی دلایا۔ جسے ناسخ جانتے اور مانتے تھے۔ پھر بھی حیدر آباد نہ گئے۔ کچھ تو قناعت کچھ یہ کہ قدردانوں اور گھریلو حالات کی بنا پر خوش حال تھے۔ نوکر چاکر۔ سواری کے لیے پالکی، رہنے کے لیے اچھے مکان۔ ملنے کے لیے اچھے دوست۔ کلام کے لیے اچھے قدردان موجود تھے۔ ان کا کلام گھر پر کاتب لکھتے اور باہر دوست و شاگرد اپنے دوستوں و شاگردوں کو تحفۃً بھیجتے تھے (تذکرہ شیفتہ)
انھوں نے بقول پروفیسر مسعود حسن کئی قصیدے لکھے لیکن ان کے ممدوحین کا حلقہ بڑا نہیں ہے۔

---

[۱] سفرنامۂ غالب ص ۹۹

کلام پر رائے

ریاض الشعرا کے سینتالیس شعری انتخاب سے مثنوی
" سراج نظم " تک مسلسل مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی
تامل نہیں کہ ناسخ مضبوط، پرگو اور قادر الکلام شاعر ہوتے ہوئے قطعے
مثنوی اور رباعی میں ناکام ہیں۔ بلکہ مثنویاں تو بہت سست لکھی
ہیں۔ ہاں غزل اور زبان میں ان کی خدمتیں ناقابل فراموش ہیں۔
یوں کہنے کو ان کے اشعار ریگستان کے اونٹ کہے جائیں (نیاز)
یا میٹھے چشمے (عندلیب) لیکن دونوں طرح سے بات یہی ہے کہ ان میں
اُردو روایت کے خلاف بانکپن اور مردانگی ہے، تہذیب اور بلندی
ہے۔ ~~بیشک ناسخ کا ترینا کام رہا لیکن یہ ضرور ہے~~ کہ جرأت، انشاء،
رنگیں اور ساری تہذیبی مانگ کو دیکھنے سمجھنے کے بعد بھی انھوں نے اپنی
برتری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ غزل سے بازاریت کو ختم کر کے اس میں بیدلؔ و
شوکت کی طرز جاری کرنا چاہی۔ ان کے دیوان میں قدم قدم پر،
درد، میر تقی میر، حسن جیسے ثقہ اُستادوں کی برتری پر اشارے
ملتے ہیں، یعنی ناسخ، حافظ و سلمان ساؤجی جیسے بڑے اساتذہ
کے کلام سے باخبر ہونے کے علاوہ متاثر بھی تھے۔ مگر یہ تاثر ان کی
ذہنی ساخت اور فنی حدوں پر حملہ نہیں کرتا انھوں نے کہا ہے کہ
" کہ دیوان میر کے بغیر کام نہیں چلتا "
یہ بھی کہا ہے:

ناسخ ہے میر سلمہ، اللہ کی زمیں   اک معنی شگفتہ کو باندھا ہزار رنگ

مگر یہ رنگ ناسخ نے خود بنائے تھے، ان میں ڈوپٹے اور آنچل کا رنگ نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ فضاؤں میں کھو جانے سے بہت دور تھے۔ بارہ چودہ برس کی بے وطنی، رنگارنگ کی زحمتیں طرح طرح کے ماحول میں رہنے کے بعد بھی۔ وہ اپنا کمال یہی سمجھتے رہے کہ

صنعت ترصیع اگر دیکھو مرے اشعار کی

پھر پسند آئے نہ صنّاعی مرصّع ساز کی

اس سے بڑھ کر یہ کہ :

ہولا ملک اے حور تیرے عشق میں

بھوک لگتی ہے نہ مجھ کو پیاس ہے

عشق تو مدت سے ناسخ کو نہیں

مجھ کو اپنی بات کا اب پاس ہے

ان کی شاعری کا مکمل تعارف اس مشہور شعر سے کرایا جاسکتا ہے کہ:

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا

طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

ان کے "داغ" باغ و بہار، لالہ و گلاب نہیں، ان کا "چاک گریبان" جنون سامانی کا پیش خیمہ نہیں، بلکہ ان کا سینہ مشرق اور داغ فراق آفتاب صبح ہجراں اور چاک گریباں طلوعِ صبح ہے۔ اب کوئی صبح خوشگوار اور آفتاب سبب بہار ہو تو تعجب ہی کیا ہے۔

دیوان ناسخ میں اچھے شعروں کا ایک اچھا اور قابلِ قدر ذخیرہ بھی ہے جس میں ہر طرح کی شعریت، ادب اور ارتقا ملتا ہے۔ بعض غزلیں

تقریباً پوری کی پوری پڑھنے سننے اور دیکھنے کی ہیں۔ مثلاً ؎

پیکِ فرخندہ فال آ پہنچا پھر پیامِ وصال آ پہنچا
پھر مبارک ہو صحبت ساقی موسمِ برشگال آ پہنچا
چشمِ بے نور ہوگئی پُر نور کیا وہ یوسف جمال آ پہنچا
اُڑ کے اب جائے گی کہاں بطِ مے ابرِ باراں کا جال آ پہنچا
پھر ہرن ہوگئی مری وحشت پھر وہ رعنا غزال آ پہنچا
دشت سے کب وطن کو پہنچوں گا کہ چھٹا اب تو سال آ پہنچا
آتے آتے جو پھر گیا ہے خواب شاید اس کا خیال آ پہنچا

ایک غزل اور لکھ کر نمونہ کے لیے پورا انتخاب پیش کرتا ہوں:

اے ابرِ شبِ فراق! دے ساتھ رونے پر مستعد ہوا ہوں
تو رنگِ چمن میں ہوشِ بلبل تو نکہتِ گل تو میں صبا ہوں
سر رکھ کے کبھی وہ سو گیا تھا اب تک زانو کو سونگھتا ہوں
وحشت نے نکالا اس گلی سے کانٹوں پر اس کو کھینچتا ہوں
آئینہ دل میں ہے ترا عکس دن رات میں تجھ کو دیکھتا ہوں
بے مہر و وفا، سراسر اس میں ناسخ کیوں کر اسے، نہ چاہوں

متفرق اشعار اور جاندار تصویروں، متحرک جذبات اور تڑپتے خیالات، بیانی کیفیات اور رنگین تصورات کے اس خوبصورت ترین مجموعے میں زبان، سنجیدگی، لطافت اور معیار کا عطر موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ انتخاب ناسخ کے فن سے بدنامی کا پردہ چاک کر دے گا۔

ناسخ بانیِ دبستان کی حیثیت سے

بے نظیر شخصیت اور ناقابل فراموش ادیب ہیں، عام طور سے لوگ ان کو مجدد زبان اور مصلح اردو ہی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دلی اسکول کے خاتمے اور ایک قدیم روایت کی انتہا پر با عظمت و مخصوص زاویۂ نگاہ رکھنے والے انقلابی کردار بن کر نمایاں ہوئے۔ وہ کسی کے شاگرد بنے بغیر اُستاد ہوئے اور بڑی ثابت قدمی سے اپنی اور اپنے نقطۂ نظر کی برتری منوالی۔

حاتم، آرزو، مظہر، سودا میں سے ہر ایک نے اردو کی تراش خراش کے لیے مخصوص قدریں معین کیں، لیکن وہ اپنے بنائے ہوئے خاکوں پر مضبوط عمارت نہ بنا سکے۔ میر حسن، خلیق اور مصحفی، انشا اور قتیل دلی سے جدا ہونے کے بعد بھی دلی کے رہے۔

ناسخ نے سب سے پہلے جرأت و انشا، مصحفی اور نصیر کے نغموں سے گونجی ہوئی فضا میں اپنی لے سنائی۔ یہ خشک و سخت پیغام، ناقابلِ قبول دِقتیں، اور سادی و سنگلاخ پابندیاں سارے لکھنؤ پر چھا گئیں اور آخر میں تو دلی پہنچ کر سارے اُردو ادب پر قبضہ کرلیا۔ ان کے حریف، شاگرد اور مخالف بھی انہی کے اصولوں کو ماننے پر مجبور اور ان کو "مصلح زبان" اور "ناسخ قواعدقدم" کہنے لگے۔

عجیب بات ہے کہ ان کے حلقے سے یہ سلسلہ اب تک جاری ہے[1]۔ رشک، بحر، نادر، جلال، کمال، آرزو کی خدمتوں سے انکار کرنا آسان نہیں ہے۔ زبان کی تراش خراش اور تکنیکی حیثیت میں خوبصورتی پیدا کرنا ان کا خاص کارنامہ ہے۔

حاتم، مظہر اور سودا کے جاری کردہ اصلاحات کے بعد بھی ان کے شاگردوں کے یہاں وہ متروکات، ایہام گوئی، موجود ہے لیکن ناسخ کے متروکات مثلاً بعض الفاظ اور بعض اضافتیں بازاری مضمون، نہ خود ان کے یہاں ہیں نہ ان کے شاگردوں کے یہاں۔

فارسی و عربی الفاظ کا صحیح تلفظ و استعمال جس پابندی سے انہوں نے رائج کیا اس کا وجود اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ اس کی فہرست کے لیے "شعرالہند" "آب حیات" اور "لکھنؤ کا دبستان شاعری" ملاحظہ ہو۔

ناسخ اپنے ماحول میں

لکھنؤ میں ان کا اثر اتنا تھا کہ آتش باوجود فنی عظمت کے ان کے سامنے تہذیبی اور ادبی اہمیت میں نامور نہ ہو سکے۔ ان کے تعلقات بڑے بڑے آدمیوں سے تھے۔ فقیر محمد خاں گویا، اعتماد الدولہ اور محسن الدولہ کے علاوہ شہر کے ہر طبقے میں ان کی عزت تھی۔

کہتے ہیں کہ خلیق اپنے ہونہار بیٹے کو بھی لے کر حاضر ہوئے تھے شیخ صاحب نے پوچھا: "صاحبزادے بھی کچھ کہتے ہیں؟" خلیق

---

[1] ناسخ اسکول کی سب سے بڑی خصوصیت' میرا مضمون مطبوعہ صبح نو جون ۵۳ء

نے حکم دیا تو میر صاحب نے مطلع پڑھا:

کھلا باعث یہ اس بے درد کے آنسو نکلنے کا
دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

بہت داد دی اور کہا کہ یہ فرزند فخر خاندان ہوگا، تخلص کے بارے میں پوچھا۔ خلیق نے بتایا کہ "حزیں" پھر خود ہی انیس تجویز کیا۔[1]

ان کی علمیت سے آج تک لوگ متاثر ہیں اور اس کی وجہ یہی نہیں کہ وہ اپنے یہاں عربی فارسی الفاظ اور مخصوص نظریات رکھتے تھے، بلکہ وہ واضع قوانین اور علمی موضوعات پر کتابوں کے مولف تھے۔ حدیث مفضل اور فضائل علیؑ والی مثنوی دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ وہ حدیث وغیرہ سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ عروض و قواعد کے متعلق بھی ان کے تبحر کا یہ عالم تھا کہ نواب سیّد محمد خاں رند آتش کے شاگرد تھے۔ مگر عروضی معاملات میں ایک مرتبہ نئی بحر میں غزل لکھی تو استاد کے بجائے ناسخ کی خدمت میں بھیج کر تصدیق چاہی۔ جس کے جواب میں انھوں نے لکھا:

"از قرائن معلوم می شود کہ یہ بحر نو، از قوت فکر و طبع، رسا پیدا گشتہ (؟) ارکان کامل وو افر را بکار بردہ اضمار عصب را آوردہ اند، وگرنہ از دوائر خارج است، مستفعلن از متفاعلن یا ضمار و مفاعیلن از مفاعلتن با عصب گرفتہ مستفعلن و مفاعیلن کردہ سبحان اللہ"[2]

---

[1] حسن خیال صـ۱۳

[2] دیوان رند صـ۲۰۹ طبع نولکشور کانپور اگست ۱۹۱۴ء

اس دفاع نے دُور تک اثر پھیلا دیا تھا۔ حیدر آباد سے پندرہ ہزار روپیہ آنا یا دلّی والوں کا ان کو سر چڑھانا بڑی بات ہے۔

شیفتہ نے "گلشن بے خار" (ص ۲۲۷) میں نہ فقط ایک سو سے کچھ زیادہ شعر لکھے بلکہ اپنے تاثرات کا بھی ذکر بڑی شاندار لفظوں میں کیا ہے۔ دوسرے لوگوں نے بھی بہت سراہا اور بہت کچھ لکھا ہے، جیسے گلستان سخن ص ۴۴۸ اور نغمۂ عندلیب ۲۴۸ [illegible]

یہ غلط ہے کہ تذکرہ نگاروں نے دس بارہ شعر لکھے۔ بلکہ مصحفی سے لے کر اب تک ہر تذکرے میں کافی شعر لکھے گئے ہیں خصوصاً شیفتہ اور سخن شعرا میں۔

اس سے بڑھ کر ان کی اہمیت کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے وہ شاگرد جن کا حال تذکروں میں ہے وہ آتش کے شاگردوں سے تعداد میں زیادہ ہیں

نوادر، ۱۹۶۱ء [illegible] از ایس سید [illegible] کا انتخاب کیا ہے (مجموعۂ منتخبہ طبع دہلی، ۱۹۳۶ء) ص ۲۸۲

---

۵۰ نقوش، انتخاب ناسخ از جناب عندلیب

مآخذ

متفرق مضامین کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب و مصنفین کے افادات سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔

حواشی اور حوالوں کے لیے بیان کردہ ایڈیشن دیکھے جائیں۔

(۱) دیوان ناسخ (اول و دوم) طبع نولکشور کانپور اگست ۱۸۷۲ء
(۲) آبِ حیات مولانا محمد حسین آزاد م ۱۹۱۰ء طبع دوازدہم لاہور
(۳) گلِ رعنا عبد الحی م ۱۹۲۳ء معارف اعظم گڑھ ۱۳۴۳ھ
(۴) تاریخ ادب اُردو ترجمہ محمد عسکری م ۱۹۵۰ء نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۵۲ء
(۵) خمخانۂ جاوید (اول و دوم) لالہ سری رام طبع اوّل
(۶) دستور الفصاحت از یکتا بترتیب و مقدمہ و خاتمہ و حواشی تحشیہ جناب عرشی ہندوستان پریس رامپور ۱۹۴۳ء
(۷) ریاض الفصحا مصحفی م ۱۸۲۴ء طبع اول ۱۹۳۴ء انجمن ترقی اردو، ہند
(۸) نغمۂ عندلیب نول کشور پریس
(۹) سراپا سخن محسن علی محسن نول کشور پریس لکھنؤ ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۱ء
(۱۰) سخن شعرا عبد الغفور نساخ م ۱۳۰۶ھ " " ۱۲۹۱ھ
(۱۱) گلشن بے خار شیفتہ م ۱۸۶۹ء " "
(۱۲) قاموس المشاہیر نظامی بدایوں، ۲۴ و ۱۹۲۶ء
(۱۳) تاریخ اودھ نجم الغنی مرادآباد اگست ۱۹۱۲ء جلد سوم

(۱۴) آب حیات کا تنقیدی مطالعہ — سید مسعود حسن ادیب — کتاب نگر لکھنؤ ۱۹۵۳ء

(۱۵) تلخیص معلیٰ — کلب حسین خاں نادر — مطبع رام سروپ فتح گڑھ ۱۲۸۰ھ

(۱۶) آب بقا — عبدالرؤف عشرت — نول کشور پریس لکھنؤ، بترتیب نشتر لکھنوی

(۱۷) حسن خیال — صفدر علی مرزاپوری — گیلانی پریس لاہور

کچھ انتخاب کے بارے میں

ایک مدت سے خیال تھا کہ آتش و ناسخ کا پورا کلام دیکھوں اور یہ معلوم کروں گا کہ ان دونوں کے یہاں داخلیت ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں کا رنگ ہے کیا؟ دوسروں کے مقابلے میں ان کی خصوصیات کیا ہیں؟

مجھے خوشی ہے کہ چار سال کی کوشش کے بعد آتش کے دو دیوان اور ناسخ کا دفتر اشعار ختم کیا۔

دونوں انتخاب حسب ذیل توضیحات کے ماتحت کیے گئے ہیں۔

۱۔ اچھے شعر
۲۔ لکھنویت کا مفہوم واضح کرنے والے اشعار
۳۔ نفسیاتی اور تاثراتی اشعار

یقین ہے کہ یہ انتخاب اصل دیوان سے ناظرین کو مستغنی کر دے گا۔

فاضل لکھنوی

۲۰ جولائی ۱۹۵۵ء

ہر بیت میں اِک شاہدِ معنی کی ہے تصویر
ناسخ ہے مرقع نہیں دیوان ہمارا

انتخابِ ناسخ

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیر کا — روح القدس ہے نام مرے ہمصفیر کا
بیعت خدا سے مجھ کو ہے بواسطہ نصیب — دست خدا ہے نام مرے دستگیر کا
بخشش کی ہے امید علی کے سبب سے — ہوتا ہوں مرتکب جو گناہ کبیر کا
دکھا اس کو جہاں میں غل ہے جس کی امداد کا — الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدارِ محمدؐ کا

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوعِ صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا
ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس میں رکھتے ہیں
دل پُر داغ کو کیونکر ہے عشق اُس زلفِ پیچاں کا
سیہ خانہ مرا روشن ہوا ویران ہونے سے
کیا دیوار کے رخنوں نے یاں عالم چراغاں کا
جو سُرخی آتی ہے عکسِ شفق سے کبھی مرے سینہ
حسد سے رنگ ہوتا ہے بدّل چرخ گرداں کا
تہ شمشیر قاتل کس قدر بشاش تھا ناسخ
کہ عالم ہر دہانِ زخم پر ہے روئی خنداں کا

جس جگہ ہے حسن فوراً قدرداں پیدا ہُوا
چاہ میں یوسف گرا تو کارواں پیدا ہُوا
ہوں وہ دریا جس میں ہے اک عرش اعظم ہر حباب
ہل گئی اک لہر جس دم اک جہاں پیدا ہُوا

مانگی باراں کی جو ہم بادہ پرستوں نے دعا
رعد نے سُنتے ہی اک نعرہ کیا آمین کا
آج ہوتا ہے دلا درد جو میٹھا میٹھا
دھیان آیا ہے تجھے کس کے لب شیریں کا
پاکان ازل کو نہیں پروائے مربی
عیسیٰ کو ضرر کچھ نہ ہوا بے پدری کا
پیری میں کسے زیست کی امید ہے ناسخ
ناداں کوئی جھونکا ہے نسیم سحری کا

زاہدا ہم جانتے ہیں عشقبازی ہے گناہ
گھر لٹایا ہے جو وحشت میں وہ کفّارا ہُوا
دوستو جلدی خبر لینا کہیں ناسخ نہ ہو
قتل آج اُس کی گلی میں کوئی بیچارا ہُوا
ہو رہا ہے بت پرستی کا یہ دُنیا میں عذاب
مجھ کو ہر داغ جنوں دوزخ کا انگارا ہُوا
پاؤں بھی اب اے جنوں کر دیجیے کانٹوں کی نذر
سر تو مدت سے نیاز سنگ طفلاں ہوگیا

زلف کو دیجیے کیا مار سیہ سے تشبیہہ
سایۂ زلف سے ہو جاتے ہیں اژدر پیدا
کیوں نہ آئینہ ہو حیراں کہ سکندر تو کہاں
نہیں ہوتا کہیں اب عکس سکندر پیدا
رنگ و داغ گل لالہ سے یہ معلوم ہُوا
حسن اور عشق ہوئے دونوں برابر پیدا
انس ہے تجھ کو عبث لالہ رخوں سے ناسخ
داغ حسرت کے سوا خاک نہ حاصل ہو گا

پھر قیامت زا ہُوا ہلنا لب خاموش کا
پھر نظر آنے لگا موسم جنوں کے جوش کا
شوق عریانی نے پھر کیں پیرہن کی دھجیاں
پھر اُتروایا جنوں نے بوجھ میرے دوش کا
لگ گئی ہے پھر جو ان روزوں میں چپکی سی مجھے
آ گیا ہے دھیان پھر اک کافر خاموش کا
پھر پڑا رہتا ہوں میں بیہوش بدمستوں کی طرح
پھر تصور بندھ گیا مجھ کو کسی مے نوش کا
کو بکو پھر دوڑتا پھرتا ہوں دیوانوں کی طرح
پھر کوئی انداز رم سیکھا ہے میرے ہوش کا
کر گیا ہے پھر کوئی خالی مرے آغوش کو
پھر خیال آیا ہے مجھ کو گور کی آغوش کا
پھر ہُوا ضبط فغاں دشوار اے ناسخ مجھے
پھر قیامت زا ہُوا ہلنا لب خاموش کا

تھا جو یوسف ہُوا نہ وہ بھی عزیز کیا برادر کو غم برادر کا
مست کہتے ہیں جس کو ابر بہار گوشہ ہے میرے دامن تر کا
لاغری سے مرے سراپا میں طور ہے سایۂ پیمبر کا
عمر جاوید چھوڑ کر لی موت دیکھنا حوصلہ سکندر کا
تیرے گھر کے جو زینے پر چڑھے شیخ پھر نہ دھیان آئے اُس کو منبر کا
اسی سے رنگ ہے گل کا اُسی سے نشہ ہے مُل کا
وہی ہے نالہ بلبل کا وہی نغمہ ہے قلقل کا
آتا ہے رشک اے دل پر آبلہ مجھے
کیا جلد پھوٹتا ہے پھپھولا حباب کا
راحت طلب کروں تو ملے آسماں سے رنج
حاضر ہو موت ابھی جو خیال آئے خواب کا
ہجر میں نالے ہیں ہونٹوں پر گریباں ہاتھ میں
وصل میں کام اُن سے لیتے تھے کنار و بوس کا
اہل زینت کو نہیں اعلیٰ و ادنیٰ میں تمیز
ہے سر طاؤس پر سایہ دمِ طاؤس کا
مدتیں گزریں کہ قدموں سے جدا ہوتے نہیں
کس قدر ہے شوق کانٹوں کو میرے پابوس کا
جانباز تو لاکھوں ہی سر دینے کو حاضر ہیں
آلودہ وہی خون سے شمشیر نہیں کرتا
رہے کیونکر نہ دل ہر دم نشانہ ناوک غم کا
کہ ہے میرا تولد ہفتم ماہ محرم کا

جواب اُس نے نہ بھیجا اور ہم نے خط لکھے اتنے
کہ مہریں کرتے کرتے مٹ گیا نقش اپنے خاتم کا
مسی آلودہ لب کو تو نے جس کپڑے سے پوچھا ہے
وہ میرے زخم دل کے واسطے پھاہا ہے مرہم کا
آ رہی ہے تن پرستی حق پرستی کے عوض
رہ گیا ہے گاؤ خوری سے نشاں اسلام کا
پر لگائے مجھے وحشت نے اُڑا پھرتا ہوں
مجھ سا پامال کوئی خار بیاباں نہ ہُوا
لاکھ کافر کو کیا تو نے مسلماں ناسخ
ہے یہ افسوس کہ تو آپ مسلماں نہ ہُوا
ذبح وہ کرتا تو ہے پر چاہیے اے مرغ دل
دم پھڑک جائے تڑپنا دیکھ کر صیّاد کا
ایک دل لے کر دیے قاتل نے مجھ کو لاکھ دل
جو لگا پیکاں مرے پہلو میں وہ دل ہو گیا
کیوں نہ اب عالم ہو اُس کا تختۂ مشقِ ستم
وقتِ بسم اللہ معلّم جس کا بسمل ہو گیا
کہتے ہیں مارا گیا بے جرم تیغ ناز سے
کوچۂ قاتل میں ناسخ نام جو بیچارہ تھا

پوچھتا اشک اگر گوشۂ داماں ہوتا
چاک کرتا میں جنوں میں جو گریباں ہوتا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شب فرقت میں تو احساں ہوتا

اے بتو ہوتی اگر مہر و محبت تم میں
کوئی کافر بھی نہ واللہ مسلماں ہوتا

جو آنکھیں نشّے سے رہتی تھیں سرخ پر خوں ہیں
فراق یار میں کیا ہائے انقلاب ہوا

نجات ہو گی عذاب حساب سے سب کو
جو پہلے روز قیامت مرا حساب ہوا

اس ستمگر کو یہاں تک تو میرے ساتھ ہے ضد
میں نے گھر ڈھونڈ نکالا تو وہ گھر چھوڑ دیا

ذبح کر ڈالوں گا گر اب کے نہ بولا شب وصل
میں نے سو بار تجھے مرغ سحر چھوڑ دیا

بات جن نازک مزاجوں سے نہ اٹھتی تھی کبھی
بوجھ اُن سے سیکڑوں من خاک کا کیونکر اٹھا

نکتہ چیں چنتا ہے تنکے دیکھ کر دیواں میرا
نقش افسوں گر ہر اک پتا ہے اس گلزار کا

مانع صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں
دل دکھا دیتا ہے میرا ٹوٹ جانا خار کا

خضر کو اُس نے پامردی کے آگے لنگ ٹھہرایا
کہ جس نے ہر نفس کو قاطع فرسنگ ٹھہرایا

ملاقات دو روزہ کو یہاں آئے تھے ہم لیکن
سرائے دہر کو سب نے مقام جنگ ٹھہرایا

اجل سے ہوں گے غافل جن کو ہے دعوائے سلطانی
تو گویا تختۂ تابوت کو اورنگ ٹھہرایا

فلک نے جبکہ تیرے حسن عالم سوز کو تولا
تو کوہ طور کو میزان میں پاسنگ ٹھہرایا

کدورت اپنے چہروں کی نظر آتی ہے لوگوں کو
تماشا ہے کہ الٹے آئینے میں زنگ ٹھہرایا

بنے ہیں صاحب غیرت پہن کر اترہی پوشاکیں
رہے غیرت سے جو عریاں انھیں بے ننگ ٹھہرایا

وہ بیرنگی کہ بیرنگی بھی جس کو کہہ نہیں سکتے
اسے بھی سب نے اپنے وہم میں اک رنگ ٹھہرایا

ہو گئے دفن ہزاروں ہی گل اندام اس میں
اس لیے خاک سے ہوتے ہیں گلستاں پیدا

ہوں میں بیمار گیا غیر کے دل کا دھڑکا
کی مرے درد نے خاصیت درماں پیدا

تری رہگزر میں گبر و مومن کرتے ہیں سجدے
ترے نقش قدم سے ہو گئے دیر و حرم پیدا

نہیں ممکن کہ کلک فکر لکھے شعر سب اچھے
برستا ہے بہت نیساں گہر ہوتے ہیں کم پیدا

میں اگر زینت فتراک کے قابل ہوتا
حلق میرا بھی تہ خنجر قاتل ہوتا

قیس نالاں کو رہا رخصت لیلیٰ میں نہ ہوش
اک جرس اور دگر نہ پس محمل ہوتا

طرفِ زیست میں جاں باختہ مائل نہ ہُوا
کچھ غمِ نازکی بازوئے قاتل نہ ہُوا
بارِ احساں فلک سے تو ملی آزادی
یہ بھی حاصل ہے اگر کچھ مجھے حاصل نہوا
کاوشیں اب تک چلی جاتی ہیں گو میں مرگیا
جائے گل کانٹے مری تربت پہ ظالم دھر گیا
سانپ جس کو سونگھ جاتا ہے وہ مرتا ہے ولے
زلف ہے وہ سانپ جس کو سونگھ کر میں مرگیا
کس کے کوچے میں جبیں سا تو ہوا ہے ناسخ
چاند سا داغ ہے روشن تیری پیشانی کا
یہ نور ہے روئے مہ جبیں کا کہ ہو خجل چاند چودھویں کا
جو حلقہ ہے زلفِ عنبریں کا وہ ایک نافہ ہے ملک چیں کا
زبسکہ وقفِ دہانِ شیریں رہا ہے وردِ زبانِ شیریں
بدن میں جب تک ہے جان شیریں مزا دہن میں ہے انگبیں کا
وہ چشمِ فتاں ہے غیرتِ مل وہ زلف پیچاں ہے رشکِ سنبل
عذار میں ہے شباہت گل بدن میں عالم ہے یاسمیں کا
یہ جوش پر یاں ہے اشک کا یم کہ ساتوں دریا ہیں قطرے سے کم
جسے کہ کہتے ہیں سب جہنم شور ہے اک آہ آتشیں کا
زبسکہ ہے جوشِ داغِ ہجراں ہُوا مرا سینہ باغِ رضواں
برائے گلگشت جائے غلماں خیال پھرتا ہے اک حسیں کا
یہ ساعدوں کا ہے اُس کے عالم کہ جس نے دیکھا ہوا وہ بیدم
نیام تیغ قضائے مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

بُرا ہو بد بخت عاشقی کا نہ دیں ہو برباد یوں کسی کا
بنا ہے عشق بتاں کا ٹیکا نشاں سجدہ میری جبیں کا
طمع ہے انصاف دوستاں سے کہ اتنا فرمائیں سب زباں سے
کیا ہے ناسخ نے آسماں سے بلند تر رتبہ اس زمیں کا

جو دل ہے ٹوٹ گیا کیا ہوں شعر تر پیدا
ہوئے ہیں شاخ شکستہ سے کب ثمر پیدا

چمن سے اُڑ چلیں اُس رشک گل کے کوچے میں
ہوئے ہیں اتنے لئے بلبلوں کے پر پیدا

شگفتہ غنچہ نہ جب تک ہو بُو نہیں آتی
ہو چاک چاک اگر دل تو ہو اثر پیدا

پس از وفات بھی تاثیر گریہ باقی ہے
مرے غبار سے ہوتا ہے ابر تر پیدا

پناہ ملتی ہے خلقت کو مرگ ظالم سے
جو کہ گردن کو کریں قتل ہو سپر پیدا

بلائے چشم ہے حسن اور نغمہ آفت گوش
کریں وہ چین ہوئے ہیں جو کور و کر پیدا

ہے مری مستی کو عشق ساقی کوثر شراب
رات دن پیتا ہوں میں بے شیشہ و ساغر شراب

گرچہ ہوں میکش پر اے زاہد نہ کر غیبت مری
گوشت کھانے سے برادر کے تو ہے بہتر شراب

میکشی سے زاہدوں کو اس لیے انکار ہے
تا نہ ان بد باطنوں کے کھول دے جوہر شراب

کیا لڑی الفت میں ہیں یہ نالہائے عندلیب
ہے شکستہ رنگ گل میں بھی نوائے عندلیب

ہاتھ میں تیرے نہ ٹھہرے گا وہاں شوق
یاد رکھ قاصد بڑا ہے یہ نشان کوئے دوست

میرے سوز دروں سے کیا نسبت میں ہوں انسان اور چنار درخت
ہر روش پر تیرے ہی مجرے کو کھڑے ہیں باندھ کر قطار درخت
سوز دل سے زمین جلتی ہے سبز کیا ہو سر مزار درخت

سُنتا ہے کون قلقل مینا کے شور میں
ہر سمت مسجدوں میں ہے شور اذاں عبث

وصل میں تھا صبح سے بیزار میں
ہجر کی شب مجھ سے ہے بیزار صبح
وصل کی شب آتی ہے تو تیرے ساتھ
تجھ کو کرتی ہے مقرر پیار صبح

کیا روز بد میں ساتھ رہے کوئی ہمنشیں
پتّے بھی بھاگتے ہیں خزاں میں شجر سے دور

حور ہے ساقی مرا کیونکر ہے مے مجھ پر حرام
واعظا کرتا ہے کیا باتیں تو ایماں چھوڑ کر
زاہدا کیونکر کریں ہیں ترک بہ دُنیا وہ ہے
سیر کو آئے تھے آدم باغِ رضواں چھوڑ کر
مر گیا کیا ناسخِ میکش جو سارے مے فروش
مسجدوں میں بیٹھے اپنی اپنی دُکاں چھوڑ کر

اے میکشو نزاکت ساقی کو دیکھنا
لاتا ہے رکھ کے مثل سبو جام دوش پر
ناسخ بھلا دیا ہے وطن کو جو اس قدر
شاید مسیح کو ہے رفاہ آسماں پر

زنداں میں بھی کوچہ ترا اے یار آتا ہے نظر
بلبل قفس میں ہے مگر گلزار آتا ہے نظر
جی سے ہوں بیزار ان دنوں ہے مرگ درکار ان دنوں
مجھ سے مرا یار ان دنوں بیزار آتا ہے نظر
ناسخ ہے اب آنکھوں میں ہر مشق تصور اس قدر
جس سمت کرتا ہوں نظر دلدار آتا ہے نظر
کی خدا نے کافروں پر اے صنم جنت حرام
ورنہ کس کی آنکھ لڑتی تیرے ہوتے حور پر
شام تا صبح ہے مجھ کو جو اب سیر لغات
سامنے رکھتا ہوں اپنے نسخۂ فرہنگ و شمع

پڑھتے ہیں جاتے ہی مکتب میں پری رو خوں ریز
کیا یہ جلادوں کو استاد کیا کرتی ہیں
پھونک دیں نالہ سوزاں سے اگر چاہیں فقیر
ہم فقط خاطر صیاد کیا کرتے ہیں
تیرا دیوان ہے کیا سامنے اُن کے ناسخ
جو کہ قرآن پہ ایراد کیا کرتے ہیں
ہے عجب رنگ کی وحشت ترے دیوانے میں
جی نہ آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں
بارود میں لگا دے کوئی آگ جس طرح
کرتے ہی عشق دل نہ رہا اختیار میں
بھاگتا ہوں مے گلرنگ سے میں کوسوں دُور
فرقت یار میں مستوں کا مگر ہوش ہوں میں

جو بے گناہ ہیں اُن کا بھی خون حرام نہیں
مقام عشق ہے یہ کعبے کا مقام نہیں

کسی میں زر کسی میں سنگ یہ ہے پھیر قسمت کا
برابر گرچہ ناسخ دونوں پلے ہیں ترازو میں

ترے بس میں جو مجھ کو دیکھتا ہے رو کے کہتا ہے
کوئی انساں نہ آجائے کسی انسان قابو میں

خاموشی مجھ کو ہوئی قفس دہن ان روزوں
چھٹ گیا مشغلہ شعر و سخن ان روزوں

گم ہوئی ہے مری گلبانگ سے راہ منقاد
کیوں نہ ہوں گرم فغاں زاغ و زغن ان روزوں

شکوہ جو بے نوکری کا کرتے ہیں نادان ہیں
آپ آقا ہے کسی کا جو کوئی نوکر نہیں

بتوں کے پردے میں ہم دیکھتے ہیں نورِ خدا
خدا کے دیکھنے کی اے کلیم تاب نہیں

یہ اپنی شکل سے اب آپ شرمسار ہوں میں
نہ آئینہ میں کبھی عکس سے دوچار ہوں میں

قوی ہوں میں گو آسماں سے زار ہوں میں
الجھ کے دامن محشر چھٹے وہ خار ہوں میں

نہ وحشی ہوں میں نہ کوئی نخل میوہ دار ہوں میں
یہ کیا سبب ہے جو اے چرخ سنگسار ہوں میں

دم خرام چمن نقش پا سے پھولتے ہیں
بجا ہے گر وہ کہے موسم بہار ہوں میں

کمال عشق میں ملتا ہے رتبۂ معشوق
سرشک خوں کے سبب آب گل عذار ہوں میں

اگرچہ یاس سراسر ہے لیکن اے ناسخ
خدا سے وصل صنم کا امیدوار ہوں میں

ساتھ شیشوں کے بدن ٹوٹنے لگتا ہے مرا
واعظا مجھ کو کبھی توبہ راس نہیں

رہتے ہیں ظلّ حمایت میں علم کی ناسخ
حامی اپنا کوئی جز حضرتِ عباس نہیں

بھلا دیکھیں تو کیونکر روکتا ہے باغباں مجھ کو
خزاں کے ساتھ ہم آئیں گے اب کے اس گلستاں میں

قاصدا حال سراپا ہے سراپا مرقوم — اپنا مکتوب کم از کاغذ تصویر نہیں
اس زمیں میں یونہی اشعار پڑھے جا ناسخ — دل کے بہلانے کی اور اب کوئی تدبیر نہیں
اے بتو ہوتے ہیں دیوانے خدا کو بھی عزیز — کیسے عصیاں کریں ان کے لیے تعزیر نہیں
ابرو یار کے مانند بناتے ہیں طاق — اور مسجد کی کسی واسطے تعمیر نہیں

شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی اُستادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

جب سے کہ بتوں سے آشنا ہوں — بیگانہ خدائی سے ہُوا ہوں
کیونکر کہوں عارف خُدا ہوں — آگاہ نہیں کہ آپ کیا ہوں
مُنہ زرد ہے تنکے چُن رہا ہوں — اے وحشت کیا میں کہربا ہوں
کیوں دوست خوش نہ ہوں جلائے ماتم — سیماب کی طرح مر لیا ہوں
ہوں قافلہ عدم سے آگے — اس راہ میں نالۂ درا ہوں

ناسخ کی یہ التجا ہے یا رب مر جاؤں تو خاک کربلا ہوں

اس ابر میں یار سے جدا ہوں
بجلی کی طرح تڑپ رہا ہوں
گلبن ہوں اگرچہ ہوں میں بے برگ
بلبل ہوں اگر تو بے نوا ہوں
افتادۂ خاک ہوں ولیکن
میں سایۂ شہپر ہما ہوں
چلتا نہیں آپ گرچہ اک گام
پر میل کی طرح رہنما ہوں

اے ابر شب فراق دے ساتھ رونے پر مستعد ہوا ہوں
تو رنگ چمن، میں ہوش بلبل تو نکہت گل تو میں صبا ہوں
سر رکھ کے کبھی وہ سو گیا تھا اب تک زانو کو سونگھتا ہوں
وحشت نے نکالا اس گلی سے کانٹوں پر اس کو کھینچتا ہوں
آئینہ دل میں ہے ترا عکس دن رات میں تجھ کو دیکھتا ہوں
ہے مہر و وفا سراسر اس میں ناسخ کیونکر اسے نہ چاہوں

طالب حق ہے اگر مت سالکوں کا ساتھ چھوڑ
مل گیا دریا میں جو کچھ مل گیا سیلاب میں

میکدے میں توڑ کر خم بہر عذر معصیت
محتسب رندوں سے کہتا ہے کہ مست بادہ ہوں

ہاتھ دوڑائیں گے اک دن میری بیعت کو سبو
بعد میں پیر مغاں کے صاحب سجادہ ہوں

حشر میں ناسخ یہی اپنا کہوں گا سلسلہ
میں اسیرِ حلقۂ گیسوئے سیّد زادہ ہوں

دور دیں ہے جو تیرے دل میں ابھی ہوتا ہے دو
بادۂ گلرنگ، اے زاہد دوا سے کم نہیں

جی لڑا دیتا ہے کیسی ہو زمیں سنگلاخ
خامہ تیشہ ہے تو ناسخ کوہکن سے کم نہیں

یہی کہتا ہے میرے بت کا جلوہ
کہ اک ذات خدا ہے اور میں ہوں

کرے جو ہر قدم پر ایک نالہ
زمانے میں درا ہے اور میں ہوں

گیا وہ چھوڑ کر رستے میں مجھ کو
اب اُس کا نقش پا ہے اور میں ہوں

زمانے کے ستم سے روز ناسخ
نئی اِک کربلا ہے اور میں ہوں

سب ہمارے لیے زنجیر لیے پھرتے ہیں
ہم سرِ زلف گرہ گیر لیے پھرتے ہیں

کون تھا صید وفادار کہ اب تک صیاد
بال و پر اس کے ترے تیر لیے پھرتے ہیں

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لیے پھرتے ہیں

جو مجھ سے گریزاں تھا کل اس کو میں گھر اپنے
باتوں میں لگا لایا تقریر اسے کہتے ہیں

بزمِ جاناں میں کبھی بات نہ نکلی منہ سے
کہنے کو شمع کے مانند زباں رکھتے ہیں
طائرِ روح کو کر دیتے ہیں کیونکر بسمل
تیر رکھتے ہیں پری رو نہ کماں رکھتے ہیں
ہو گیا زرد پڑی جبکہ حسینوں پہ نظر
یہ عجب گل ہیں کہ تاثیرِ خزاں رکھتے ہیں
تازگی ہے سخنِ کہنہ میں یہ بعدِ وفات
لوگ اکثر مرے جینے کا گماں رکھتے ہیں
بھا گئی کونسی وہ بات بتوں کی ورنہ
نہ کمر رکھتے ہیں کافر نہ دہاں رکھتے ہیں

غمِ شبیر میں رو رو کے کروں تر دامن
جاؤں تا حشر کے میداں میں نہیں تر دامن
طمعِ خام سے پھیلے جو کسی کے آگے
یا رب ایسا تو مجھے ہو نہ میسر دامن
مثلِ گردوں تجھے گردش ہی رہے گی دن رات
زر سے زنہار نہ اے طالبِ زر بھر دامن
زندگی بھر تو صفائی رہی کیا قہر ہوا
ہے مری خاک سے قاتل کا مکدر دامن
آستیں زن ہے یہاں کوئی چراغِ جاں پر
کھا گیا واں روشِ ناز سے ٹھوکر دامن
یہی کہتی ہوئی جاتی ہے چلی عمرِ رواں
میرے دامن سے نہ باندھے کبھی صرصر دامن

صبح محشر یہی کہتا ئیں اُٹھوں گا ناسخ
دے مرے ہاتھ میں یا سبطِ پیمبر دامن

ہے جو یوں مکروہ طبعِ پاک کو مضمونِ غیر
وصل کا مضمون شایاں اپنے دیواں میں نہیں

ہو گیا مرتے ہی میرے سرد بازارِ جنوں
آج اے اطفال کوئی سنگ داماں میں نہیں

کیا ہُوا اگر شعرِ ناسخ ہیں عقیدے کے خلاف
آیۂ منسوخ کیا موجود قرآں میں نہیں

گاو خواری سود خواری ایک سی دونوں میں ہے
کچھ تفاوت ان دنوں ہندو مسلماں میں نہیں

ہماری آہ وہ سُن کر جو واہ کرتے ہیں
غزل سرا ہوئے ہیں ہم کہ آہ کرتے ہیں

گدائے میکدہ کس چین سے ہیں خاک نشین
یہ عیش تخت پہ کب بادشاہ کرتے ہیں

جو ناامید ہیں اہل ورع ہیں اے ناسخ
امیدوارِ شفاعت گناہ کرتے ہیں

جان ہم تجھ پہ دیا کرتے ہیں نام تیرا ہی لیا کرتے ہیں
چاک کرنے کے لیے اے ناصح ہم گریبان سیا کرتے ہیں
زندگی زندہ دلی کا ہے نام مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں
سنگِ اسود بھی ہے بھاری پتھر
لوگ جو چوم لیا کرتے ہیں

جن کی رفتار کے پامال ہیں ہم
وہی آنکھوں میں پھرا کرتے ہیں

آنکھوں سے فائدہ جو نہیں تیری گرد راہ
حاصل جبیں سے کیا جو تیرا آستاں نہیں

دھوکا نہ کھا ظروف وضو کو تو دیکھ کر
مسجد میں مے فروش کی ناسخ دکاں نہیں

موسم گل میں بشر ہیں معذور
گل تلک چاک قبا کرتے ہیں

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں

دو روز ایک وضع پہ رنگ جہاں نہیں
وہ کونسا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں

زاہدان خشک، شب بیدار ہیں تو کیا کمال
بیشتر کر دیتی ہے زائل یبوست خواب کو

فصل گل آئی ہے پھر اپنے جنوں کا جوش ہے
بلبلیں آتی ہیں گلشن سے مبارکباد کو

ہاتھ پر رکھ کے دیا مجھ کو شراب پر نور
آج ساقی نے دکھایا ید بیضا مجھ کو

مشق تصویر اس کو ہے مشق تصوّر مجھے
اپنی صنعت میں دکھا سکتا نہیں بہزاد کو

ہزاروں گور کی راتیں ہیں کاٹنی ناسخ
ابھی تو روز سیہ ہیں تو بیقرار نہ ہو

نہ جنوں میں بھی رکھا بخت نے عریاں مجھ کو
طوق نے جیب دیا دشت نے داماں مجھ کو
گبر نفرت کرے آگاہ اگر حال سے ہو
شرم آتی ہے جو کہتے ہیں مسلماں مجھ کو

ہے وہ کافر جو نہیں مرتا حسینوں پر دلا
مرتے دم میں ہم مسلماں دیکھتے ہیں حور کو
بت پرستی میں ہے ناسخ حق پرستی کا خیال
دیکھتے ہیں ہر صنم میں ہم خدا کے نور کو
گریباں چاک ہیں اب تک سُنا تھا میرا اک نالہ
ہنسی میں گل اُڑا دیتے ہیں بلبل تیرے شیون کو
اس لیے جھوٹا بھی وعدہ وصل کا کرتا نہیں
تا نہ تسکیں ہو کبھی میرے دل مایوس کو
سامنے خالق کے اے ناسخ کرام کاتبین
روز لے جاتے ہیں لکھ کر مرے اشعار کو
میری آنکھیں روتی ہیں ناسخ اسی افسوس میں
آہ ہم تر ہوں لب آل پیمبر خشک ہو
نہ کوئی مال دنیا کا اُٹھا لے جائے گا سر پر
زمانے میں نصیب ایسے ملے بس ایک قاروں کو
نالے کر آتا ہوں ہر شب زیر دیوار اس لیے
بھول جائے نہ وہ کافر مری آواز کو
نکلتا ہے جو ہر گل زر بکف گلزار عالم میں
خدا جانے زمیں میں دفن یہ کس کا خزانہ ہے

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے
وگرنہ ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے
یہ پھک رہا ہے مرا جسم آتش غم سے
کہ طوق بھی مری گردن میں لال رہتا ہے
کبھی نہ آئینہ دیکھا پئے خود آرائی
یہ بے مثالی کا اس کو خیال رہتا ہے
نہ ترک صحبت احباب کیجیو ناسخ
گرا جو برگ شجر پائمال رہتا ہے
ہوئی تقلید سے کب قدر عالی پست فطرت کی
چمن کا گل ہے سر پر اور کسی کا کفش کا گل ہے
نسیم باغ ہے دود چراغاں بے دماغی میں
تری فرقت میں ہر گل مجھ کو گویا شمع کا گل ہے
حدی خواں ہیں جلو میں ناقۂ لیلیٰ کا تو ناسخ
ہجوم کودکاں گلیوں میں مجنوں کا تجمل ہے
ٹھوکر اک پائے حنائی سے لگایا چاہیے
پھول کوئی میری تربت پر چڑھایا چاہیے
دل کو خواہش ہے کہ طفلان حسیں گھیرے رہیں
آپ کو ان روز دو دیوانہ بنایا چاہیے
محفل عشرت میں ناسخ یاد آیا ہے غنی
شمع ساماں ہنستے میں یا دل کو رلایا چاہیے
کونسا خورشید آج اپنا چراغ خانہ ہے
بزم میں باہم ہجوم ذرہ و پروانہ ہے

کر گئے وحشت نہ اس وحشت سرا سے کون کون
مثل مجنوں کل ہمارا حال بھی افسانہ ہے
عازم گلگشت وہ غارتگر گلشن ہے کیا
آمد و رفتِ نسیم صبح بیتابانہ ہے
اس زمیں میں ناسخ اب مستانہ پڑھیے چند شعر
ہے بغل میں شیشۂ مے ہاتھ میں پروانہ ہے
اپنے کاموں میں رہو مشغول تم اے غافلو
اس کی باتوں پر نہ جاؤ ناسخ اک دیوانہ ہے

لالہ و گل کا جوش ہے بلبلوں کا خروش ہے
فصل وداع [illegible] ہے موسم ناو نوش ہے
مر گئے تیرے غم میں ہم کچھ بھی ہوا نہ تجھ کو غم
ہے یہ وہ غم کہ اے صنم کعبہ سیاہ پوش ہے
صدقے ہو تیری چال پر کیوں نہ نسیم ہر سحر
نقش قدم سے رہگزر دامن گلفروش ہے
عشق گل عذار ہے بس یہی خار خار ہے
فصل بہار یار ہے اپنے جنوں کا جوش ہے
رنگ ہے اس کے جسم پر گل سے کہیں زیادہ تر
آئے برہنہ گر نظر تب کہیں سرخ پوش ہے
شکل نظر نہیں پڑی آیا نہیں پیام بھی
برسوں ہوئے کہ ایک سی حالت چشم و گوش ہے
ناسخ یہ قول ہے بجا حضرت میر درد کا
حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے

آتش عشق وہ ہے جس میں سمندر جل جائے
اک شرر جلئے جو پتھر میں تو پتھر جل جائے

تن بدن پھونک دیا ہے تپِ فرقت نے مرا
کیا عجب ہے جو مرے جسم سے بستر جل جائے

دوست کہتے ہیں اُسے ساتھ جو دے آفت میں
شمع کے جلتے ہی پروانہ نہ کیوں کر جل جائے

کیوں سبک کرتا ہے واں لے جا کے اے بے چین دل
میرا ہونا اُس کی ساری انجمن پر بار ہے

کیا خیال اپنی سبکدوشی کا آیا ہے جو آج
کوہ کو تیشہ لگانا کوہکن پر بار ہے

وہ گئے دن جو اُٹھا لیتا تھا کوہ عشق کو
کاہ کا سایہ بھی اب ناسخ کے تن پر بار ہے

تنگ آ کر جب کہا میں نے کہ مر جاؤں کہیں
بدگماں سمجھا کہ اس کو اشتیاقِ حور ہے

وہ ہمیں ہیں عشق سے لڑتے ہیں جو خم ٹھونک کر
ورنہ ناسخ اس قدر کس پہلواں میں زور ہے

مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے تماشا ہے تہِ آتش دھواں ہے
تکلم ہی فقط ہے اُس صنم کا خدا کی طرح گویا بے دہاں ہے
ستارے جھڑتے ہیں جو کفش پا کے زمیں فیض قدم سے آسماں ہے

کروں کیا احتیاط جسمِ خاکی
غبارِ توسنِ عمرِ رواں ہے

رہا بیتاب و نالاں زندگی بھر وادیٔ غم میں
خداوندا جرس شاید مرے طالع کا اختر ہے
قریب آیا ہے شاید جلوہ گاہِ یار اے ناسخ
فروزاں پاؤں کا ہر آبلہ مانند اختر ہے

جی میں ہے خار بیاباں جائے مژگاں دیکھیے
زلفِ جاناں کے عوض شامِ غریباں دیکھیے
چل کے جیتون کی کمر میں کیجیے طوق اپنے ہاتھ
نرگسِ جادو کی جا چشمِ غزالاں دیکھیے
تا بکے اغیار میری آنکھ میں کھٹکا کریں
آبلوں میں کچھ دنوں خار مغیلاں دیکھیے
کیجیے اب دیدۂ غول بیاباں پر نگاہ
خشم آلودہ کہاں تک چشم گریاں دیکھیے
بہ چکے ہیں اپنی آنکھوں سے بہت سیلاب اشک
کوہ کے چشموں کو بھی یک چند جوشاں دیکھیے
کر چکے اقلیم وحشت میں بہت جوش و خروش
چند مدت عالم شہر خموشاں دیکھیے
ہو چکیں وہ عشق کے غم میں گریباں چاکیاں
اپنے غم میں گور کا چاک گریباں دیکھیے
ہے خدا شاہد یہی ہے اپنی اے ناسخ مراد
کربلا میں روضۂ شاہ شہیداں دیکھیے

اگر حسین ہو فقیر اس کے بندے ہیں ناسخ
نہ ہم ہیں شاہوں کے مشتاق نہ وزیروں کے

چاند کو اپنا مشابہ دیکھ کر کہنے لگے
ہم نے عکس آئینہ گردوں پہ دیکھا دور سے
زار انتظار خط نے کیا اس قدر مجھے
پہچانتا نہیں ہے مرا نامہ بر مجھے
جاں بلب ہوں پر نہیں صحت کی مجھ کو آرزو
کیا مرض ہے عشق جس کے درد سے آرام ہے
کوچہ و بازار میں کہتے ہیں مجھ کو دیکھ کر
ہے یہی آتش زباں ناسخ اسی کا نام ہے؟
اے شیخ و گبر سبحہ و زنار توڑیے
پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑیے
ٹکراؤں واں جو سر تو وہ کہتا ہے کیا مجھے
صاحب نہ مجھ غریب کی دیوار توڑیے
روز مرگ آرزو ہے تا بہ کے غم کیجیے
تا کجا دست دعا کو وقف ماتم کیجیے
حسن گندم گوں پہ ہے یہ خانہ بربادی بجا
ابن آدم ہیں نہ کیوں تقلید آدم کیجیے
یاں چراغ زندگی روشن ہے سوز داغ سے
امتحاں کو پہلے عیسٰے شمع پر دم کیجیے
ہر طرف مصروف زاہد ہیں نماز صبح میں
گردن مینا کو بھی لازم ہے اب خم کیجیے
جذبۂ معشوق سے افتاد کی ہے بال و پر
کیوں نہ حسرت کی نگاہیں سوے شبنم کیجیے

دوستی وہ ہے نہ ہو جس میں غرض کا شائبہ
روزِ روشن میں چراغ مردہ کا غم کیجیے
چاکِ در کے بند کرنے کا تو ہے شوق آپ کو
سینہ چاکوں کے لیے بھی فکرِ مرہم کیجیے
حال ناسخ کی پریشانی سے کیا نسبت اُسے
آپ اپنی زلف کو کتنا ہی برہم کیجیے

کوچہ ہائے زخم دل تیری تجلّی گاہ ہیں
داغ جو سینے میں ہے اُس میں تیری تصویر ہے
شاخِ گل ہے قدو قامت برگِ گل رخسارِ یار
خندۂ گل جنبشِ لب بوئے گل تقریر ہے

نہ پتھر سے فقط دامانِ طفلاں ہو گئے خالی
مرے سر پر تو کہساروں کے دامن ہو گئے خالی
مری دیوانگی کا ان دنوں ہے شور گلیوں میں
معلّم رہ گئے تنہا دبستاں ہو گئے خالی
ہزاروں بے گناہوں کا ہُوا خوں کچھ نہیں پروا
ہوا قاتل کو غم اس کا کہ زنداں ہو گئے خالی
آسماں پر دل فرشتوں کے ملے جاتے ہیں آج
یہ زمیں پر پاؤں رکھنے کا نیا انداز ہے
فصلِ گل ہے چار دن ایّام توبہ ہیں مدام
عمر بھر اے میکشو بابِ اجابت باز ہے

زاہدا کیا ڈھونڈھتا پھرتا ہے کعبے کی کلید
آ درِ میخانہ مثل باب توبہ باز ہے

لکھتے ہی اڑتے ہیں اطرافِ جہاں میں اپنے شعر
طائرِ معنی کو کاغذ شہپرِ پرواز ہے
ہوگیا وصل میں لبریز مرا ساغرِ دل
شیشۂ دل نہ ہُوا تھا ابھی چنداں خالی
ہوئی میرے سرِ شوریدہ پہ آفت نازل
آج لڑکوں کو نظر آتے ہیں داماں خالی
دو چار حزیں پہنچیں اگر اور بھی ہم سے
ہستی کی طرف منہ نہ کرے کوئی عدم سے
ڈر تھا اثر کا اُس کو سو وہ بھی نکل گیا
نادم ہُوا ہوں منہ سے مَیں نالہ نکال کے
زاہدائے سخت دل خونریز ہوتے ہیں دلا
نکلے کیا جز تیغ و خنجر بیضۂ فولاد سے
چہرہ ہو جاتا ہے میرا اس کے آتے ہی بحال
انس ہے رنگِ پریدہ کو بھی اس صیاد سے
تاب سننے کی نہیں بہرِ خدا خاموش ہو
ٹکڑے ہوتا ہے جگر ناسخ تری فریاد سے
وصل کی دولت ملی جذبِ دلِ بیتاب سے
کیمیا ہم نے بنائی ہے گرِ سیماب سے

سیر مقتل مت سمجھ گلگشت اے نازک مزاج
باغ و بستاں اور ہے گنج شہیداں اور ہے
دل سے ہے کاوش اسے تلووں سے ہے اُس کو خلش
خار مژگاں اور ہے خار مغیلاں اور ہے
باعثِ ایمان ہے وہ غارتگرِ ایماں ہے یہ
نظم قرآں اور ہے رخسار جاناں اور ہے

میری قسمت کی وطن میں یہ سیہ بختی ہے
تیرگی مانگتی ہے شام غریباں مجھ سے
خانہ ویراں سمجھے کہتا تھا ہر اک اے ناسخ
اب تو آباد ہُوا خانۂ زنداں مجھ سے
بظاہر سب مساوی ہیں مگر ہے فرق باطن میں
نہ ہر سینے میں حکمت ہے نہ ہر خم میں فلاطوں ہے
چھوڑ دے میرا گریباں تا نہ رسوا ہو کوئی
دست وحشت یہ کسی کا پردۂ ناموس ہے
عمر خضر تک ناسخ ہے ثبات ہم کو بھی
گوہر سخن میں یاں آب زندگانی ہے
کیا سیاہی اور سُرخی لالہ وار آنکھوں میں ہے
چشم بد دور آج اے ساقی بہار آنکھوں میں ہے
پاس یار جانی ہے بادہ ارغوانی ہے
شغل شعر خوانی ہے عالمِ جوانی ہے

ابر ہے گلستاں ہے مطرب غزلخواں ہے
مست بادہ جاناں ہے لطف زندگانی ہے
چال کس پری رو کی وقت فکر یاد آئی
آج کچھ بہت اپنی طبع میں روانی ہے
آئینہ دوراں ہے اس میں عکس جاناں ہے
آپ اپنا حیراں ہے آپ اپنا ثانی ہے
گور ہوگیا ہے گھر نالہ شورش محشر
عین موت بے دلبر اپنی زندگانی ہے
فلک پر چاند کو مجنوں نے جب دیکھا تو یہ سمجھا
کہ لیلیٰ جھانکتی ہے منہ نکالے اپنے محمل سے
قفس میں کیوں پڑی دم توڑتی ہے آج اے بلبل
چمن میں کیا کسی نے کوئی ڈالی توڑ ڈالی ہے

گزشتہ صفحات کے چند شعر

کہتے ہیں زاہد مری دیوانگی کو دیکھ کر
بُت پرستی کے سبب قہر خدا نازل ہوا
ہائے یہ کہنا ترا رکھ کر مری چھاتی پہ ہاتھ
اب تو اس دم نالۂ آتش فشاں کرنا نہیں
معشوقوں سے امید وفا کرتے ہو ناسخ
ناداں کوئی دنیا میں نہیں تم سے زیادہ

انتخاب دیوان دوم

رنگ عشرت باغ عالم میں نظر آتا نہیں
گل کو گلچیں کا خطر بلبل کو غم صیاد کا

خبر کرے کوئی زاہد کو آئے بہر مدد
شکست توبہ کو پھر موسم بہار آیا

جو گوش گل نہ سنے باغ میں تو کیا چارہ
قفس سے نالۂ بلبل ہزار بار آیا

کیا میں نے اس انداز سے گریباں چاک
کہ سینۂ دشمن بے درد کا فگار ہوا

فکر کر موقوف ناسخ جی نہیں لگتا ترا
پھر طبیعت کا کسی دن امتحاں ہو جائے گا

جب مرے دل کو اضطراب ہوا
سارے عالم میں انقلاب ہوا

نامہ بر خط کے پرزے چن لایا
یہی حاصل اسے جواب ہوا

جور اصحاب فیل سے ناسخ
کعبۂ دل مرا خراب ہوا

جرم مستی پہ ہوا سر جو قلم ناسخ کا
دیر میں صورت مینا تن بے سر آیا

کیوں اچنبھا ہے تجھے ناسخ فراق یار کا
ایک دن ناداں فراق روح و تن ہو جائے گا

جھک جھک کے شیشے ملتے ہیں ہنس ہنس کے جام سے
یہ مے کدہ مقام نہیں ہے غرور کا

ناسخ کہیں جلد آکے کہیں قاصد جاناں
خط بھیجیے دلوائیے انعام ہمارا

بیخودی ہیں یہ کون یاد آیا
خود بخود دل ہے بیقرار اپنا

ناسخ وطن میں دیکھیے دیکھیں گے گھر کو کب
غربت میں مدتوں سے ہے اپنا مکاں سرا

اب تو باہر آ کہ ہم کب سے کھڑے ہیں منتظر
پیکر اپنا تیرے دروازے کا بازو بن گیا

پیرہن پھینکے ہیں میں نے بیشتر کر کے چاک
اس سبب سے اے جنوں صحرا کا داماں بڑھ گیا

دم بلبل اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جو نہی سن سے نکل گیا

سنسان مثل وادی غربت ہے لکھنؤ
شاید کہ ناسخ آج وطن سے نکل گیا

غربت میں کیا حصول ہے نزدیک رہنے سے
اہل وطن کے دل سے جو میں دور ہو گیا

ساقی تڑپ پڑا ہے لہو ہجر یار میں
منہ شیشۂ شراب کا ناسور ہو گیا

دل دے کے آ گیا ترے قابو میں اے صنم
مَیں اپنے اختیار سے مجبور ہو گیا

محروم جو رکھنا اُسے منظور ہے میرا
کہتا ہے ظرافت سے کہ لے بوسہ دہاں کا
یوں ہو کے سبکدوش جو چلنے کو ہو طیار
کچھ تو کہو ناسخ کہ ارادہ ہے کہاں کا
دیکھ رخسار صنم دل میں ہو منصف زاہد
سنگ اسود پہ ہے کیا لطف بھلا بوسے کا
اُڑا کے ساتھ یہ مشت غبار لیتا جا
مجھے رکاب میں او شہسوار لیتا جا
چلا عدم سے میں جبراً تو بول اُٹھی تقدیر
بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا
شگفتہ غنچۂ امید باغ کر اے گل
خزاں میں ساتھ نسیم بہار لیتا جا
لی جان خدا نے کسی بت نے نہ کیا قتل
نکلا نہ دم مرگ بھی ارماں ہمارا
شعار اپنا ہوا ہے بُت پرستی ان دنوں زاہد
اثر یہ ہو گیا شاید ہمیں گنگا کے پانی کا
بہت پھولو نہ مسند پر ندیموں کی خوشامد سے
یہاں ملنا ہی عہدہ مدح خواں کو نوحہ خوانی کا

مر رہا تھا آپ میں ناحق ہُوا بدنام تُو
اُونگھتے کو ٹھیلتے کا اِک بہانہ ہوگیا

پھر وہی ہے زورِ وحشت پھر وہی جوشِ جنوں
فصلِ گل آتے ہی کیا ناسخ توانا ہوگیا

ص ۲۷ پیکِ فرخندہ فال آ پہنچا پھر پیامِ وصال آ پہنچا
پھر مبارک ہو صحبتِ ساقی موسمِ برشگال آ پہنچا
چشم سب بے نور ہو گئی پُرنور کیا وہ یوسف جمال آ پہنچا
اُڑ کے اب جائے گی کہاں بلبلے ابرِ باراں کا جال آ پہنچا
پھر ہرن ہوگئی مری وحشت پھر وہ رعنا غزال آ پہنچا
دشت سے کب وطن کو پہنچوں گا کہ چھٹا سال اب تو آ پہنچا
آتے آتے جو پھر گیا ہے خواب شاید اُس کا خیال آ پہنچا

کیا ہی دم باز ہے وہ دشمنِ جاں ہے ظالم
آج آتے ہی جو بے ڈھب مرے تیور سمجھا
ہنس کے بولا کہ ہے کچھ کام ابھی آتا ہوں
اور اپنے دلِ بیتاب کو دم بھر سمجھا
دل نے جس راہ لگایا میں اسی راہ چلا
وادیِ عشق میں گمراہ کو رہبر سمجھا

کہتے ہیں صبح دم وہ دیکھ کے مُنہ جائے آئینہ آفتاب ملا
کب سے ناسخ کی جستجو ہے مجھے آج وہ خانماں خراب ملا

حسن بھی کیا چیز ہے زاہد ذرا انصاف کر
اپنے بندوں کو خدا دیتا ہے لالچ حور کا

پست آوازہ مدح خواں کی ہوئی   نعرۂ نوحہ خواں بلند ہُوا
زنداں ہمارے رہنے کو کاشانہ ہو گیا
دشت جنوں تمام جلو خانہ ہو گیا

مدح نصیر الدین حیدر شاہ اودھ (۱۲۴۳ھ ۱۲ ربیع الاول) بطور نعت پیغمبرؐ

آج مولد ہے جناب احمد مختار کا
خارزار دہر میں عالم ہُوا گلزار کا
کس قدر ظاہر ہوئے ہیں معجزاتِ بیّنات
منکروں کو حوصلہ باقی نہیں انکار کا
خم نہ کر دی کیوں درفش کاویانی کو علم
نقش صدر در صدجو ہو اس کے علمبردار کا
منہدم ہوں طاق کسریٰ کے نہ کیونکر کنگرے
جلوہ ہو جب منظرِ کونین کے معمار کا
ابر کو نسبت بھلا کیا اس کے دستِ جود سے
انگلیوں میں جب ہو عالم ابر دریا بار کا
مالک باغ جواں دہ گل ہے اس پر ہے دلیل
حکم محکم کے برابر دوڑنا اشجار کا
کیا اگر منکر ہُوا کوئی سفیہہ سنگدل
دال ہے اس کی نبوت پر کلام اشجار کا
غاشیہ بردار تھے جبریل ہمراہ رکاب
جب ہوا راکب براقِ آسماں رفتار کا

ہے محب یہ شاہ دل سے حیدر کرار کا
ہو مبارک اُس کو مولد احمد مختار کا
وضع بجلی کی ہے شاہنشاہ کی تلوار میں
طور ہے دست کرم میں ابر دریا بار کا
کوزۂ مے واعظا خالی اگر ہو گا یہاں
تیری مسجد کے لیے ظرف وضو ہو جائے گا
چاک اگر مجھ سوختہ کا ہے گریباں ناصحا
رشتہ ہائے شمع سوزاں سے رفو ہو جائے گا
کیا پیوں مے ہجر ساقی میں کہ لگ جائے گی ڈاک
بس گلو میرا بھی شیشے کا گلو ہو جائے گا
گر پڑیں گے لڑکھڑا کر نشہ میں ہو گی نماز
زاہد اپنا چشمۂ خم سے وضو ہو جائے گا
چین سے سویا کروں گا تیری دولت حشر تک
خواب ہی میں میری تربت پر جو تو ہو جائے گا
چھوڑ دے گا غیر سے ملنا لڑانا آنکھ کا
صلح پر راضی اگر وہ تند خو ہو جائے گا
ہو مبارک کہ ہوئے حیدر صفدر پیدا
شہر علم ازلی کا یہ ہُوا در پیدا
بُت پرستوں کی کمر ٹوٹ گئی اس غم سے
کہ ہُوا قوّتِ بازوئے پیمبر پیدا
مولد احمد و حیدر میں ہُوا فرق یہاں
پیش ازیں ورنہ ہوئے دونوں برابر پیدا

اِنسان کو انسان سے کینا نہیں اچھا
جس سینے میں کینہ ہو وہ سینا نہیں اچھا
گرمی میں نکلتے ہو دمک جاتی ہیں گلیاں
کیوں عطر سے اے جان پسینا نہیں اچھا
آنکھیں تو ملاتے ہو نگہ دل نہیں مِلتا
ساغر تو بہت خوب ہے مینا نہیں اچھا
خونِ جگر اچھا کہ ہمیشہ ہے میسّر
ساقی مئے گلرنگ کا پینا نہیں اچھا
آواز یہ آتی ہے لبِ آبِ بقا سے
مرنا ہی یہاں خوب ہے جینا نہیں اچّھا
کہاں پرواز کی اے ہم صفیرو میں نے گلشن میں
قفس میں بس پھڑکنے کو ہوئے ہیں بال و پر پیدا
کر رہا ہے انتظام ملکِ دل سلطانِ عشق
ہو گیا ہے حکم عقل و ہوش کے اخراج کا
عالم بالا بھی تجھ پر مبتلا ہو جائے گا
رفتہ رفتہ وہ سہی بالا بلا ہو جائے گا
دھوپ تو کیا چاندنی پڑ جائے گی تجھ پر اگر
گورا گورا جسم نازک سانولا ہو جائے گا
کیسی تخفیف اے طبیبو فصلِ گل آنے تو دو
پھر وہی میرے جنوں کا ولولہ ہو جائے گا
جھومتی آتی ہے متوالی گھٹا ہے سبہ مست آج کی کالی گھٹا

معجزے ہیں جیسا پر راست کہیے یا مسیحؑ
نام کس کالے کے مجھ پر آپ نے دم کر دیا
تیری مسجد میں بہک کر آرہے ہیں مے پرست
زاہدا رستہ بتا دے خانۂ خمّار کا

مدح اسپ نصیر الدین حیدر شاہ اودھ

رفتار میں اورنگ سلیماں ہے یہ گھوڑا
پر سیرت و خلقت میں تو انساں ہے یہ گھوڑا
گردن یہ بلند اس کی ہے گلشن میں جو گزرا
قمری نے کہا سرو خراماں ہے یہ گھوڑا
جو حکم کیا شاہ جہاں نے وہیں سمجھا
انسان کے مانند سخنداں ہے یہ گھوڑا
فیروزہ جو ہے نام مبارک تو بجا ہے
از رتبہ نگین مہر سلیماں ہے یہ گھوڑا
آتا ہے پسینہ جو اُسے آب بقا ہے
حیواں ہے تو چشمۂ حیواں ہے یہ گھوڑا
ایسا ہے بدن صاف کہ لوٹا جو زمیں پر
سب کہنے لگے گوہر غلطاں ہے یہ گھوڑا
کہتے جو اسے برق تجلی تو بجا ہے
نعلوں سے ہمیشہ شرر افشاں ہے یہ گھوڑا

یہ دامن زیں نہیں شہپر ہیں پری کے — مانند پری صاف نمایاں ہے یہ گھوڑا
بر چھے ہیں اگر اس کی جلو میں تو بجا ہے — کچھ شبہ نہیں شیر نیستاں ہے یہ گھوڑا
تابع ہے یونہی رخش فلک شاہِ جہاں کا — جس طرح سدا تابع فرماں ہے یہ گھوڑا
ہے شاہِ جہاں کی نظرِ لطف جو اس پر — آفاق میں سب گھوڑوں کا سلطاں ہے یہ گھوڑا
رکھتا ہے قدم فخر سے اب چرخ بریں پر — سلطانِ جہاں کے جو تہ راں ہے یہ گھوڑا
کافی ہے فقط ظلِّ الٰہی کا اشارہ — ناسخ کی طرح تابع فرماں ہے یہ گھوڑا

ہجر میں لاغر بدن حد سے زیادہ ہو گیا
جو شلوکہ تھا ہمارا وہ لبادہ ہو گیا
کرتے ہیں سالک ترقی سے تنزل اختیار
جبکہ منزل پر سوار آیا پیادہ ہو گیا

مقابل آپ کی آنکھوں کے آنسو بہا نہیں سکتا
انھیں کے آگے جادو گر کے جادو ہو نہیں سکتا

مری آنکھوں سے کیا نسبت کہ قطرہ آب نیساں کا
دُرِ نایاب ہو سکتا ہے آنسو ہو نہیں سکتا
گدائے کیا چہ درویش صحرا گرد کے آگے
کوئی کتنا کبھی وحشت سے آہو ہو نہیں سکتا

تجھ سے کب اے محتسب ڈرتے ہیں زند سر فروش
کر رہے ہیں ہم سر بازار سودائے شراب

نہ پائیں زاہد اسے آبرو شراب کہیں
نہ اپنے ہاتھ کہیں کھوئے آبروئے شراب

مغتنم وصل میں ہے دور شراب آخر شب
ساقیا مرغِ سحر کے ہوں کباب آخر شب
شام سے وصل میں ہیں مرتکب عصیاں ہم
ہیبت صبح سے ہوتا ہے عذاب آخر شب
حق پرستی کو نہیں چھوڑتے ہم بادہ پرست
ہے نماز اوّل شب اور شراب آخر شب

مجھ سے اب صاف بھی ہوجا تو یونہیں آپ سے آپ
جس طرح ہے تری خاطر میں غبار آپ سے آپ
او وجود چمن آرائے ازل کے منکر
خود بخود گل ہوئے موجود نہ خار آپ سے آپ
زلف کو چھو کے پڑا ہے جو بلا میں اے دل
کاٹ کھاتا ہے کسی کو کوئی مار آپ سے آپ
کچھ تری تیغ جفا کی نہیں تقصیر اے گل
صورت غنچہ مرا دل ہے فگار آپ سے آپ
غیر کا مُنہ ہے کہ لے بوسے ترے او ظالم
نیل گوں ہو گئے ہونگے یہ عذار آپ سے آپ

غم خانہ تری یاد میں ہے سیم بر بہشت
زہرِ غمِ فراق مزے میں ہے در بہشت
مَیں وہ نہیں جو یاد وطن میں ہلاک ہوں
پروا نہ ہو مجھے جو نہ آئے نظر بہشت
بہرِ بہشت منّت رضواں اُٹھاؤں کیوں
بیشک دکھائیں گے مجھے خیر البشر بہشت

اغیار کی سعی سے جو بالفرض جاؤں میں
واللہ ہو نگاہ میں مثل سقر بہشت
مجھ کو نوائے بلبل شیراز یاد ہے
کیا لکھنؤ کہ منہ نہ کروں ہو اگر بہشت
حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت
ناسخ کو جیتے جی تو گزرنا محال ہے
اے رشک حور تیری گلی ہے مگر بہشت

تیری ہی فکر رہتی ہے دن رات
جیتے جی تو نے مجھ کو مارا پیٹ
جی میں ہے رکھ کے سر میں سو جاؤں
تکیہ مخمل کا ہے تمھارا پیٹ

ہے جدائی دشمن جاں الغیاث
الغیاث اے وصل جاناں الغیاث
تنگ نامردوں کے جوروں سے ہوں میں
الغیاث اے شاہ مرداں الغیاث
تا کجا اعدا کی گیدڑ بھبکیاں
الغیاث اے شاہ یزداں الغیاث
ہے غضب تاریکی شب ہائے ہجر
الغیاث اے روئے تاباں الغیاث
کر رہا ہے ایک کافر مجھ کو قتل
الغیاث اے اہل ایماں الغیاث

مرچلا بادِ لب جاں بخش میں
الغیاث اے آب حیواں الغیاث
ہے پہنچنا دیر سے مجھ حرم
الغیاث اے نا مسلماں الغیاث
خلق میری جان کی خواہاں ہوئی
الغیاث اے خالقِ جاں الغیاث
وادیِ تفتیدۂ غربت ہوں میں
الغیاث اے چشمِ گریاں الغیاث
ہجر میں دوزخ ہُوا مجھ کو جہاں
الغیاث اے باغ رضواں الغیاث
مزرعِ امید ناسخ خشک ہے
الغیاث اے ابرِ احساں الغیاث

آ مجھ سے ہو ہم کنار قاصد
کر لوں میں تجھ کو پیار قاصد
بر آئے ترے قدم کی دولت
امید امیدوار قاصد
قسمت سے ایک تو پھرا ہے
بھیجے ہیں میں نے ہزار قاصد
آنکھوں سے نکالوں پاؤں پھیلا
گر کوئی چبھا ہو خار قاصد
ناسخ بھی تجھ سے پوچھتا ہے
کیسا ہے مزاج یار قاصد

دیتے ہیں ساکنان الہ آباد مجھ کو وحشی خطاب اے قاصد
آیا نہیں پھر کے آہ قاصد
تکتا ہوں میں کب سے راہ قاصد
لکھے ہیں مرے نصیب میں رنج
تیرا نہیں کچھ گناہ قاصد
احباب سے اضطراب کہنا
ہے تو ہی مرا گواہ قاصد
رات دن پیر فلک کی ہے دو رنگی ظاہر
زرد ہے پرتو خور ماہ کی تنویر سفید
حسن کو چاہیے انداز و ادا ناز و نمک
لطف کیا گر ہوئی گوروں کی طرح کھال سفید
بعد اک عمر کے ناسخ کی جواب آمد ہے
لکھنؤ کے ہوئے سب کوچہ و بازار سفید
نیند آئے گی کہ موت آئے گی ہجر یار میں
دیکھیے کیونکر ہوں اپنے دیدۂ بیدار بند
قیس سن لینا ہماری برہنہ پائی کا حال
کیا کریں ہے دشت وحشت میں زبان خار بند
کھل گئی جادو بیانی بزم میں ناسخ کی آج
کر دیا میں نے اُسے تقریر میں سو بار بند
ظاہرا گردش گردوں ہے ہنڈولے کی طرح
پست دو چار زمانے میں ہیں دو چار بلند

جھانکنے کے لیے جس میں دراڑیں رخنے
اسے پریزدہ ہے مجھے ایسی ہی دیوار پسند
دل لگایا ہے کہیں نام خدا تونے بھی
ورنہ کیوں آتے ہیں او بُت تجھے اشعار پسند
ہم ہیں دیوانے ہمیں چاہیے ناسخ زنجیر
نہ تو سبحہ ہے پسند اور نہ زنّار پسند
کیا ہوا اُس سرو خراماں کی غذا غیر شراب
کہ درختوں کی قناعت ہے فقط پانی پر
رکھ دیا دل تیرے آگے جو اسے سرکا کر
رحم آیا ہے مجھے آئینے کی حیرانی پر
غش ہیں موسیٰؑ کی طرح صاعقۂ طور گرا
کیا تجلّی ہے تیرے چہرہ نورانی پر
گرچہ ہے نظم مگر نثر کا ہوتا ہے گماں
یہ غزل دال ہے ناسخ کی پریشانی پر
میری حالت پر بہت روتا ہے تو
خط نہ ہو جائے کہیں تر نامہ بر
نامہ پر نامہ رقم کرتا ہوں میں
بھیجتا ہوں نامہ بر پر نامہ بر
دم مرا گھبرا کے کر جاتا سفر
گر نہ دم بھر اور آتا نامہ بر
نامہ اس کے ہاتھ سے شاید ملا
ہے جو سر نامہ معطر نامہ بر

روئے جاناں دیکھ کر جیتا ہے کون
مر رہا جا کر مرا ہر نامہ بر
پیار کرتا ہوں لگاتا ہوں گلے
ہو گیا اُس کے برابر نامہ بر
آپ اب چلنا پڑا ناسخ دیار یار کو
قاصد اپنا آج تک آیا نہ اس تاکید پر
عین دریا میں بھی گردش سے نہیں دم بھر قرار
سعی کرنا ختم ہے اے سالکو گرداب پر
ہے کلام اللہ پر بھی زر کو دنیا میں سبق
ہو گیا مجھ کو تیقّن لوح قرآں دیکھ کر
ڈیوڑھیوں پر بہر حفظ جاں عبث ہے بندوبست
موت پھر جاتی ہے کوئی چوب درباں دیکھ کر
کوئی مر جائے تو مسک ہاتھ سے مٹی نہ دے
خود جو ہو بیمار بنوا کر ورق کھا جائے زر
سنسان ہے کیا ہجر میں کاشانۂ ناسخ
بولا نہ کوئی میں نے کئی بار کی آواز
کفر کے سامنے اسلام کی مقدار ہے کیا
تیرے سبحہ سے ہے زاہد میری زنّار دراز
روک ناسخ کو نہ اے رضواں در فردوس پر
بندۂ شبیر خدا ہے جائے گا قنبر کے پاس
فاقہ مستی سے ہمیں بھی ہے بھلا ہوش کہاں
ہیں اگر نشۂ دولت سے تو انگر بے ہوش

ساز و مطرب تری آواز سے ہیں کیا خاموش
احتیاطاً ہوئے داؤد بھی شاہا خاموش
کس کو اے نورِ مجسّم ترے آگے ہو فروغ
کر دیا تو نے چراغ ید بیضا خاموش
ناطقہ بند کیا تو نے ہر اک ناطق کا
مشرکِ مکہ ہوئے صورتِ عزّا خاموش
تاب دم مارنے کی کس کو بھلا تیرے حضور
ہو گئی شمع تجلی مع موسیٰ خاموش
اٹکی رہتی ہے گلے میں تیری ہیبت سے سرا
کیوں نہ ہو میکدۂ دہر میں مینا خاموش
جب تری مسجد اقدس میں اذاں ہونے لگی
مثل بُت ہو گئے ناقوس کلیسا خاموش
آپ کو مصحف ناطق کی قسم یا مولا!
حشر میں میری شفاعت سے نہ رہنا خاموش
دل تو کہتا ہے کہ چل کوچۂ جاناں کی طرف
حکم وحشت یہ ہے کر عزم بیاباں کی طرف
ایسی نفرت ہے اگر خاک بھی ہو جاؤں میں
اُڑ کے جاؤں نہ کبھی کوچۂ جاناں کی طرف
گلعذارو یہ ہوئی تم سے مجھے بیزاری
آنکھ اُٹھا کر کبھی دیکھوں نہ گلستاں کی طرف
طور و موسیٰ ذرۂ صحرائے عشق   نوح و طوفاں قطرۂ دریائے عشق

واعظا مسجد سے اب جاتے ہیں میخانے کو ہم
پھینک کر ظرف وضو بھتے ہیں پیمانے کو ہم
کون کرتا ہے بتوں کے آگے سجدہ زاہدا
سر کو دے دے مار کر توڑیں گے بتخانہ کو ہم
عقل کھو دی تھی جو اے ناسخ جنونِ عشق نے
آشنا سمجھا کیے اک عمر بیگانے کو ہم

موے آتش دیدہ بنتا ہے میرا تارِ نگاہ
ایسے اُس آتش کے پرکالے کے ہیں رخسار گرم

جب میں روتا ہوں تو کیا کہتا ہے وہ شیریں ادا
مثل شیریں مجھ کو جوئے شیر کی حاجت نہیں

لے جو تیرے خون کا قاتل سے کوئی انتقام
آئینہ کافی ہے کچھ شمشیر کی حاجت نہیں

موتیوں سے بھریں گے وہ ناسخ — غم نہیں دانت اگر دہن میں نہیں
اُس نے لکھا ہے اپنے ہاتھ سے خط — قاصدا مجھ کو اعتبار نہیں
عاشق زلف تھا سو میرے لیے — گور میں بھی عذاب مار نہیں
ہوئے بے نور دیدۂ ناسخ — ہائے وہ گرد رہ گزار کہاں

وہی حسرت وہی فغاں وہی داغ
کشور دل میں انقلاب نہیں
کیا چھپیں میرے داغ چھالوں سے
ڈھانپ لے ابر آفتاب نہیں

درد دل کا علاج اے ناسخ　　عرق اُس گل کا ہے گلاب نہیں

نہریں ہیں کیوں بہشت میں جاری　　زاہدا اگر شراب پاک نہیں
ہاے ناسخ فراق جاناں میں　　کون سی رات ہولناک نہیں

کچھ تیری بات کو ثبات نہیں
ایک ہاں میں تو پانچ سات نہیں
مجھ کو ساقی سوائے جام شراب
جم کی جانب بھی التفات نہیں
یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
مہربان بات ہے نبات نہیں
ترک دُنیا میں سوچ کیا ناسخ
کچھ بڑی ایسی کائنات نہیں

چاک کرنے کی نہیں پاتا ہوں طاقت ہاتھ میں
ہے گریباں دیر سے اے جوشِ وحشت ہاتھ میں
ارمغاں لے جاؤں ناسخ سوئے گلزارِ وطن
چن لیے ہیں خارہائے دشتِ غربت ہاتھ میں

لیتے لیتے کروٹیں تجھ بن جو گھبراتا ہوں میں
نام لے لے کر ترا راتوں کو چلّاتا ہوں میں
ناتوانی نے نکل جانے کا ڈر تو کھو دیا
یار کو اب اپنے مرجانے سے دھمکاتا ہوں میں
دوڑتے ہیں پاؤں جب دامانِ صحرا کی طرف
ہاتھ بھی سوئے گریباں ساتھ دوڑاتا ہوں میں

ص۹۵ طاقت نہیں اب اتنی کہ ناسخ میں کروں دور

دو چار گریبان کے جو ہیں تار گلے میں

ہیں کیا ابر نیساں سے اگر گوہر برستے ہیں

کہ اپنے کشت پر تو جلتے آب اخگر برستے ہیں

دعا باراں کی حب میں مانگتا ہوں وقت میخواری

تو ساقی میرے شیشوں پر وہیں پتھر برستے ہیں

اسی کو دیتے ہیں ہوتے ہیں جس سے منتفع منعم

کہ بادل سے سمندر ہی میں بس گوہر برستے ہیں

ادھر اٹھتے ہیں بادل اور ادھر ناسخ ہوں میں گریاں

مقابل ہو کے دیکھوں تو بھلا کیونکر برستے ہیں

چپ اگر بیٹھتے ہیں ہم تو بگڑ بیٹھتے ہیں

منہ بنا لیتے ہیں کچھ منہ سے اگر کہتے ہیں

ص۹۶ ان دنوں کیسا نظر آتا ہے جنوں بے رونق

غول لڑکوں کے مرے ساتھ نہیں سنگ نہیں

لاکھ صیقل سے نہ چھوٹے گا کبھی او قاتل

جم رہا ہے یہ مرا خونِ وفا زنگ نہیں

جائے خوں آتش سودا ہے تمام اعضا میں

کون سی رگ ہے ہماری جو رگ سنگ نہیں

دھوم عالم میں مچی ہے تری بدنامی کی

ہائے ناسخ تجھے کچھ عار نہیں ننگ نہیں

وحشت سے پھر رہا ہوں تری جستجو نہیں

ہے کون سا مقام کہ اے جان تو نہیں

صفحہ ۹۵

اے مغنی سن مرے نالے ذرا پردیس ہیں
درد ہے ایسا بھلا کا ہے کو تیرے دیس میں
صحبت رندانِ ساغر کش مجھے آتی ہے یاد
پھنس گیا ہوں حلقۂ زہاد کاسہ لیس میں

مایوسیاں

صفحہ ۹۵ کیا غرض غیر سے جب یار سے کچھ کام نہیں
گل سے کچھ کام نہیں خار سے کچھ کام نہیں
مرض عشق سے دی مجھ کو شفا شافی نے
اب تری نرگس بیمار سے کچھ کام نہیں
گھر میں اب چین سے بیٹھوں کہ وہ سودا نہ رہا
گردشِ کوچہ و بازار سے کچھ کام نہیں
شبِ تاریک لحد کا ہے تصوّر مجھ کو
ہجر جاناں کی شب تار سے کچھ کام نہیں
ساغر عمر لبالب نظر آتا ہے مجھے
ساقی و خانۂ خمار سے کچھ کام نہیں
چمن خلد میں اب چل کے کروں گل چینی
بوسہ ہائے گل رخسار سے کچھ کام نہیں
کیجیے سایۂ طوبیٰ میں بخوبی آرام
یار کے سایۂ دیوار سے کچھ کام نہیں
ہو گیا ضعف سے خود بال ہمارا تن زار
اب تو موئے کمر یار سے کچھ کام نہیں

پروانے کا خون شمع پہ ثابت ہے وگرنہ
کٹتی ہے کہاں شمع سر طور کی گردن

غم نہیں ہے فلک جو تاج نہیں
ہم کو سر کی بھی احتیاج نہیں
اس پری کا نہیں دہن بے شک
ہے اگر وہم تو علاج نہیں
کچھ ابھی بے کلی ہے قسمت میں
وعدۂ وصل کل ہے آج نہیں
ہر طرح رزق ہم کو ملتا ہے
غم ہے موجود گر اناج نہیں
نالہ آگ، اشک آب چشم ہے خاک
یاں عناصر کو امتزاج نہیں
ہم مئے دل سے مست ہیں ناسخ
نشۂ بادۂ زجاج نہیں

حقہ کشی میں بھی ہیں خوش آوازیاں بتو
نیچے نہ سمجھے ہیں یہ مزا سیر ہاتھ میں

بشریّت سے ہیں بھی ہوں معذور
روتے تھے بوالبشر جدائی میں
روتے ہیں آٹھ آٹھ آنسو ہم
ہائے آٹھوں پہر جدائی میں

اڑتے پھرتے ہیں گریبانوں کے پرزے قاصدا
کچھ پتا اس سے زیادہ کوئے دلبر کا نہیں

ہم نمازوں میں جو تا دیر کھڑے رہتے ہیں
سامنے یہ بتِ بے پیر کھڑے رہتے ہیں
ایسے ہم خاک ہوئے ہیں کہ ہمارے آگے
با ادب صاحبِ اکسیر کھڑے رہتے ہیں
ناسخ اس گل کے نظارے کی تمنّا میں ہم
غنچہ ساں باغ میں دلگیر کھڑے رہتے ہیں

گذشتہ صفحات کے چند شعر

نام رکعت ہے کہیں لغزشِ مستانہ کہیں
نہیں شغلِ حرم و خانۂ خمار جدا

اپنے ابرو آئینے میں دیکھ کر بسمل ہوا
کھینچ کر تلوار اپنا آپ وہ قاتل ہوا

اب کہاں نالے، کہ اس لیلےٰ کا مسکن دل ہوا
تھا جرس جو پیش ازیں وہ ان دنوں محمل ہوا

سب کے خالق نے بنائے کاسۂ سر واژگوں
آدمی اس پر بھی پیش آدمی سائل ہوا

کہتے ہیں زاہد مری دیوانگی کو دیکھ کر
بُت پرستی کے سبب قہر خدا نازل ہوا

جب تصوّر یار کا باندھا ہم آپ آئے نظر
سامنے آنکھوں کے آئینہ ہمارا دل ہوا

ہیں جفائیں جو یہی اہلِ وطن کی ناسخ
مجھ سے چھٹتا نظر آتا ہے وطن ان روزوں

اے بُتو ہوتے ہیں دیوانے خدا کو بھی عزیز
کیسے عصیاں کریں ان کے لئے تعزیر نہیں

مُنہ ان کا نہیں ہے شکر، ورنہ
ہر بُت کہتا کہ میں خدا ہوں

دفن محبوب جہاں ہیں ناسخ
قبریں ہم چوم لیا کرتے ہیں

معشوقوں سے امید وفا رکھتے ہو ناسخ
ناداں کوئی دُنیا میں نہیں تم سے زیادہ

آئینہ میں زلف، زلف پُرشکن میں آئینہ
یہ حلب میں مشک ہے مشک ختن میں آئینہ
خاک ہوکر صورت اصلی کو بھی وہ دیکھنا
رکھ دیا ہوتا سکندر کے کفن میں آئینہ
کرتے پھرتے کیوں کسی کے مصحفِ رُخ پر نگاہ
صبح سے تا شام بیٹھے اس سے قرآں دیکھیے
حیرت سے اشک چشم سے باہر نہ ہو سکے
دریا بھرے رہے پہ مژہ تر نہ ہو سکے
شامل نہ ہو جو ناسخ برگشتہ کا غبار
صحرا میں گرد باد سے چکر نہ ہو سکے
دم میں تمام دامن صحرا محیط ہو
سرکے جو آستیں ابھی چشم پُر آب سے
جینا فراق کا نہیں ہرگز حساب میں
مدت ہوئی کہ مر چکے ہیں ہم حساب میں
یہ جسم زار بے حرکت پیرہن میں ہے
سب مجھ کو جانتے ہیں کہ مردہ کفن میں ہے
فرقت قبول، رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم رقیب تری انجمن میں ہے

ہوتا ہے ایک خلق کو تابوت کا گماں
جس وقت پالکی مری چلتی ہے ہجر میں

وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں
ہائے مَیں کیا کروں کہاں جاؤں
آئی یاد اس کی زلف کی زنجیر
توڑ کر اب تو بیڑیاں جاؤں
کتنے روزوں سے غم نہیں کھایا
اُس کے گھر آج میہماں جاؤں
خاک اُڑاتا ہوا ہر اک بن میں
صورت گرد کارواں جاؤں
جی میں حسرت ہے قاصدوں کی طرح
ڈھونڈھتا یار کا مکاں جاؤں

کو بکو سرو خراماں نظر آتے ہیں مجھے
حُسن کو کون کہے صاحبِ اعجاز نہیں

بین کی آواز دلکش اس قدر ہوتی نہیں
کر رہی ہے سحر اُس مطرب لپسر کی انگلیاں

گو یہ غم ہے کہ وہ حبیب نہیں
پر خوشی ہے کوئی رقیب نہیں

جیتے جی پاؤں دوست کا دیدار؟
ناسخ ایسے مرے نصیب نہیں

مے کی کس دم مجھے تلاش نہیں
نہ کہو یہ غمِ معاش نہیں

رٹ ہے جس کے نام کی اس کا نشاں ملتا نہیں
لامکاں تک ڈھونڈھ مارا ہے مکاں ملتا نہیں
پاؤں ہیں بیکار کوئے یار سے ہیں نابلد
سر بھی ہے کس کام کا وہ آستاں ملتا نہیں
فصل گل میں سیر گلشن کو نہ جانا چاہیے
ان دنوں ناسخ دماغ باغباں ملتا نہیں

پیر جیتے ہیں جواں مرتے ہیں
آپ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں
جن کی آغوش کو تم بھرتے نہیں
زندگانی کے وہ دن بھرتے ہیں
گرچہ ہے مہر سراسر تم میں
پر ہم اے جان بہت ڈرتے ہیں
دیکھ اے یار ہماری حسرت
غیر سب جیتے ہیں ہم مرتے ہیں

کوئے جاناں کی تمنّا تھی ہمیں
ہائے جنّت میں قدم دھرتے ہیں

یاد آتی ہیں ہمیں جان تمھاری باتیں
ہائے وہ پیار کی آواز وہ پیاری باتیں
پہروں چپ رہتے ہیں ہم، اور اگر بولتے ہیں
وہی پھر پھر کے اُلٹتے ہیں تمھاری باتیں
یاد آتا ہے ترا "کیا" کے عوض "کا" کہنا
ہائے پھر کب میں سنوں گا وہ گنواری باتیں
کیجیے سحر بیانی سے مسخّر کیونکر
کبھی سُنتا نہیں ناسخ وہ ہماری باتیں

سب کی سب کیا ہیں، شب قدر؟ ہماری راتیں
کٹتی ہیں آنکھوں ہی میں ہجر کی ساری راتیں

پڑ گیا ہے چشم ساقی کا کہیں دریا میں عکس
ورنہ یہ گردش کہاں سے آگئی گرداب میں

ہوئے ہیں عکس فگن میرے داغ گنگا میں
کہاں بہلتے ہیں ہندو چراغ گنگا میں
چلوں وطن کو دلا جامہ پارسا بن کر
ذرا شراب کے دھولوں میں داغ گنگا میں

یہ نوچے کھلتے ہیں زناروں کو کانپور کے لوگ
کہ جیسے کھلتے ہیں مردوں کو زاغ گنگا بیں
ادھر بہلتے ہیں گل اور ادھر نہلتے ہیں گل
ہر ایک صبحِ شگفتہ ہے باغ گنگا بیں !

عشق کو کس کے دل سے لاگ نہیں
کون سا گھر ہے جس میں آگ نہیں
خود بخود جی مرا اُداس نہیں
دل لگی جس سے تھی وہ پاس نہیں
آبِ حیواں پیوں بجائے شراب
ایسی اے خضر مجھ کو پیاس نہیں
پاسِ انفاس ہے عبث زاہد
کسی دل کا تو تجھ کو پاس نہیں
بوسہ ایک آدھ مانگتا ہوں میں
مہربان سو نہیں پچاس نہیں

ہیں عدو مغموم میں محسود ہوں
شکر ہے حاسد نہیں محسود ہوں
وصل کی شب کو اگر کرتا ہوں یاد
ہجر کی شب کہتی ہے موجود ہوں

میرے نالے سُن کے آتا تھا کبھی دل میں جو رحم
روئی اب رکھنے لگا ہے وہ ستم گر کان میں

دونوں اس غارت گر دیر و حرم کے یار ہیں
یہ سبب ہے ربط جو شیخ و برہمن میں نہیں

آپس میں ہے حسینوں کو بھی رشک کس قدر
شب کو نہیں ہے شمس تو دن کو قمر نہیں

تمام رنج ہیں تا حشر ساتھ اے ناسخ
بجز حیات کوئی چیز مستعار نہیں

پھر پھر کے دائرے ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں
وہ دن گئے کہ ہاتھ میں رکھتے تھے پھول ہم
ناسخ چبھے اب اس کے عوض خار پاؤں میں

خطوط سونے کے ہوں جس طرح کسوٹی پر
یونہیں محبت زر ہے مرے سویدا میں

ہوئی جمع بیدردی و دردمندی
دل آزار وہ ہے ستم گار میں ہوں

وہ کرتا ہے باتیں، مَیں کرتا ہوں آہیں
گہر بار وہ ہے، شرر بار میں ہُوں

کیا ہے اے قاتلِ عالم! ترے آگے تلوار
تجھ میں تو اور بھی جز قتل ہیں لاکھوں جوہر

ہیں یاد وہ بے مثال آنکھیں
کیا ہیں تری اور غزال آنکھیں
کیا کیا مجھ کو نہ دن دکھائے
اب ہو گئی ہیں وبال آنکھیں
آیا تاثیرِ گریہ سے یار
ناسخ اب پونچھ ڈال آنکھیں

گڑ گئے ہیں سینکڑوں شیریں ادا شیریں کلام
جا بجا ہوں چونٹیوں کے کیوں نہ روزن خاک میں

نہ پانی پیتے جو دیکھا ہو، ابر کو یم سے
ہمارے دیدۂ گریاں پہ آستیں دیکھو

یاد ہیں سب گل عذارِ لکھنؤ
ہے تصوّر میں بہارِ لکھنؤ

یاد آجاتی ہے اے داغِ جنوں
کیا نسیمِ مشک بارِ لکھنؤ
گل سے رنگیں تر ہیں خارِ لکھنؤ
نشّہ سے بہتر خمارِ لکھنؤ
پھر رہے ہیں گل عذارِ لکھنؤ
ہے چمن ہر رہ گزارِ لکھنؤ
خود بخود بے خود ہوں کیا یاد آگیا
کوئی رند بادہ خوارِ لکھنؤ
سارے نقشے سامنے آنکھوں کے ہیں
نقش ہیں، نقش و نگارِ لکھنؤ

ہم صفیر اپنا وطن ہے لکھنؤ
ہم تو بلبل ہیں چمن ہے لکھنؤ
کر دیا ہے ہے قضا نے کیا فراق
جان مَیں ہوں اور تن ہے لکھنؤ
کوئی ایسا شہر دُنیا میں نہیں
غیرتِ دہرِ کہن ہے لکھنؤ
مَیں نہیں ناسخ تو کیا تاریک ہے
شمع میں ہوں، انجمن ہے لکھنؤ

یہ اعلیٰ مرے لکھنؤ کی ہے شان
نہیں ہے جہاں آسماں لکھنؤ

نہ دیکھا خزاں سے یہ حال چمن
ہُوا کیا تبہ ناگہاں لکھنؤ
بجز داغ حسرت مرے واسطے
نہ بھیجے کوئی ارمغاں لکھنؤ
ملاقات باہم رہی حشر پر
کہاں مَیں کہاں تو کہاں لکھنؤ
مریں گے تو پہنچیں گے بے شبہ ہم
کہ فردوس ہے بے گماں لکھنؤ

آسماں کی کیا ہے طاقت جو چھڑائے لکھنؤ
لکھنؤ مجھ پر فدا ہے میں فدائے لکھنؤ
تو نے دیکھیں ہیں کہاں رنگیں ادائے لکھنؤ
لالہ و گل کے چمن میں کوچہ ہائے لکھنؤ
بادشاہ لکھنؤ کے ہوں بیاں کس سے شکوہ
ہاتھ میں رکھتے ہیں جامِ جم گدائے لکھنؤ
کب ہُوا ہے ساکن و مسکن میں ایسا ارتباط
میں نہ جاؤں تو مرے پاس آپ آئے لکھنؤ

کہتے ہیں چھوڑ گیا جامۂ ہستی ناسخ
دامن آنکھوں پہ رکھو چاک گریباں کرو

سر نہیں مجھ بادہ کش کے جسم پر اے میکشو
رکھ دیا ہے شیشۂ مے پر الٹ کر جام کو

اگرچہ سبزۂ بیگانہ اس چمن میں ہوں
ہر ایک گل سے مگر آئی آشنا کی بو

خود ہنستے ہو اغیار سے ہنسواتے ہو مجھ کو
یہ زور ہنسی ہے کہ رُلا جاتے ہو مجھ کو
مَیں خوب سمجھتا ہوں مگر دل سے ہوں ناچار
اے ناصحو بے فائدہ سمجھاتے ہو مجھ کو

اپنی برق نگاہ سے تم نے
شجر طور کر دیا ہم کو
دل بنا عاشقی میں خود مختار
اور مجبور کر دیا ہم کو
ایسی تعریف کی کہ اے واعظ
عاشقِ حور کر دیا ہم کو
غم نہیں محتسب، جو توڑا خم
نشہ نے چور کر دیا ہم کو

مجھ سے قاصد کہتے ہیں خط کوئی پڑھتا ہی نہیں
رات دن کاغذ کیا کرتا ہے ناحق تو سیاہ

برسات پہ موقوف اگر بادہ کشی ہے
کہیے تو لگا دے ابھی ساون کی جھڑی آنکھ

صبر کر چپ رہ کہ سوزِ داغ عشق
تا ابد ہے، اے دل ناداں سمجھ
عشق کی رغبت جو دے تجھ کو نہ سُن
بات بد ہے، اے دلِ ناداں سمجھ
قولِ ناسخ منعِ شغلِ عشق میں
مستند ہے، اے دل ناداں سمجھ

تا بہ کے ہجر میں ناموں کی یہ تحریر رہے
پھر وہ دن ہوں کہ بہم راتوں کو تقریر رہے

جیب میں چاک درِ یار نظر آتا ہے
سینے میں روزنِ دیوار نظر آتا ہے
دشت غربت میں نگاہ اپنی جدھر جاتی ہے
وہی کوچہ، وہی بازار نظر آتا ہے
یہ بھی اس ماہ کے کیا میری طرح عاشق ہیں؟
جو ستارہ ہے وہ بیدار نظر آتا ہے
چاند سا چہرۂ تاباں ہے مگر اس پر بھی
زلف میں رنگ شب تار نظر آتا ہے

کفر، اے زاہد بے دین، تو چھپاتا ہے کیا؟
سبحہ میں رشتۂ زنّار نظر آتا ہے

کمرِ یار نہاں ہے، تو اچنبھا کیا ہے
کب ہمارا بدنِ زار نظر آتا ہے

جھولیاں لڑکوں کی یاد آتی ہیں اے دشت جنوں
جب ہمیں دامنِ کہسار نظر آتا ہے

جانتا ہوں انھیں آنکھوں کو یہ دیکھ آیا ہے
مست جس دم کوئی میخوار نظر آتا ہے

گرچہ ہوں ہند میں لیکن مجھے ناسخ ہر دم
روضۂ حیدرِ کرّار نظر آتا ہے

تیرے جور و ستم، اے عہد شکن بھول گئے
رنج غربت میں یہ پایا کہ وطن بھول گئے

محو اس درجہ ہوئے دیکھ کے صورت تیری
چہرہ پرداز ازل نقش دہن بھول گئے

دم خفا زیر زمیں ہے مدد اے جوش جنوں
آشنا چاک گریبان کفن بھول گئے

اب تلک یاد نہ جنّت میں کیا ناسخ کو
اپنے مدّاح کو یا شاہ زمن بھول گئے

دل ملک انگریز میں جینے سے تنگ ہے
رہنا بدن میں روح کو قیدِ فرنگ ہے

اب کی بہار وادیِ وحشت میں ہے جنوں
گل ہے، نہ برگ سبز، نہ مے ہے، نہ بنگ ہے
دولت بجز فساد کسی کو ملی نہیں
دیکھو کہ لفظ "گنج" بھی مغلوب "جنگ" ہے

دیکھنا تاثیر میرے نالۂ جاں کاہ کی
سُن کے اس بے رحم نے، بے اختیار اک آہ کی

مسکنِ شاہدِ شرابی ہے کعبۂ دل کی اب خرابی ہے

جس نے آنکھ آپ سے لڑائی ہے
اس سے اک خلق سے لڑائی ہے
دیکھنا اے سحابِ دیدۂ تر
کیا بگولوں نے خاک اُڑائی ہے
لے چلی ہے وطن سے وحشت دُور
بارے، نزدیک موت آئی ہے
وصل ہوگا، شراب پی لوں گا
ہجر میں ہی، یہ پارسائی ہے
ہر قدم پر یہ ناز تھے کب کب
کبک نے تیری چال اُڑائی ہے
رتبہ چکا بعد مرگ بھی ناسخ
غرقۂ بحر آشنائی ہے

دور، او غربت! وطن نزدیک ہے
مرغ جاں خوش ہو چمن نزدیک ہے
ہے شکستہ گر عقیق دل، تو کیا
اور لے لیں گے یمن نزدیک ہے
خندۂ دنداں نمائے یار دیکھ!
لکھنؤ کیسا، عدن نزدیک ہے
دُور سے آواز آتی ہے مجھے
آج بوئے پیرہن نزدیک ہے

کیا اگر دشمن سوار فیل ہے
کافی اس کو ریزۂ سجّیل ہے
جب سے پنہاں ہے نظر سے عیش باغ
چشمِ گوہر بار موتی جھیل ہے

کیا برستی ہے بجائے ابر رحمت بے کسی
ہے یہی تربت مقرّر، ناسخ مغفور کی

پیر صاحب نہ خفا ہو تو ابھی ہاتھوں ہاتھ
تا سر پیر مغاں آپ کی دستار چلے
خواب میں ہم جو وطن کو چلے یہ شور ہوا
آج ناسخ کی طلب کو شتر اسنوار چلے

جس کی مسجد پہ نہ پڑتی تھی نگاہ   وہ درِ بُت خانہ پر افتادہ ہے

نہیں غم گر رقیب روسیہ ہے خندہ زن ہم پر
شگوں شادی کا لیتے ہیں تو جس وقت ہنستا ہے

جب میں چاک اپنے گریباں کی طرح کرنے لگا   قیس چلّایا مرے صحرا کا دامن چھوڑ دے

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی   عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی
اگرچہ آئی ہے برسات پھول پھولے ہیں   ہوئی شگفتہ نہ امید ہم ملولوں کی
کہاں امید ترقی ہے جینے جی ہم کو   یہ مشت خاک ہے بس منتظر بگولوں کی
جو چشم اہل وطن میں نہ ٹھہرے کیا پروا   ہماری خاک سے روشن ہیں آنکھیں غولوں کی

ایک دم فرصت نہیں مجھ کو بتوں کی یاد سے
کہتے ہیں زاہد خدا کی یاد ہر دم چاہیے

کریں بے خطر کیوں نہ بندے خطائیں
خدا باپ ماں سے سوا چاہتا ہے

دیکھو اعجاز پیر بادہ فروش   ایک جا جمع آب و آتش ہے

زیست بھر دھڑکے عذابِ حشر سے   زاہدا تیرا ہی یہ دل گردہ ہے

دیتے ہیں زاہد یہ دھڑکے مجھ کو مومن جان کر
بیچ ڈالوں مغبچوں کے ہاتھ ایماں تو سہی

پھر بہار آئی چمن میں زخم دل آلے ہوئے
پھر مرے داغ جنوں آتش کے پرکالے ہوئے
وہ پری پیکر کہا کرتا ہے اکثر فخر سے
اب تو ناسخ بھی ہمارے چاہنے والے ہوئے

بند کر رکھیے کسی حکمت سے خم میں مے کشو
جی میں آتا ہے کہ واعظ کو فلاطوں کیجیے

نہ میں ہوں مخاطب نہ تو ہے مخاطب
وہی میں وہی تو نہ میں ہوں نہ تو ہے
حضور اس کے کرتے ہو اپنا نظارہ
نظر بازو وہ ماہ آئینہ رو ہے
جنوں تار تار اب کروں میں گریباں
کہ ناصح کو در کار تار رفو ہے
عبث خانہ برباد ہو ہرزہ گردو
جو بیٹھا ہے گھر میں وہی کو بکو ہے
جو ہے بے جہت ہے وہی شش جہت میں
جو یک سو ہے سب سے وہی چار سو ہے
مری زندگی ہے مئے لعل گوں سے
سبب زیست کا جس طرح سے لہو ہے
چھڑک کر مرے زخم پر مشک بولا
گل زخم میں واہ کیا رنگ و بو ہے
مئے ناب سے ہاتھ دھویا جو تم نے
یہی زاہدو کیا تمھارا وضو ہے
تصوّر ہے جو درد کی طرح ناسخ
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

کمال شوق ملاقات اس نے لکھا ہے
چلوں میں آپ ہی قاصد جواب کے بدلے

رُباعی

اے نامہ برو تمھیں پیمبر کی قسم
لے جاؤ شتاب خط مرا پیش صنم
دو پاؤں ہیں اور اس قدر ہے سستی
اک پاؤں سے چل رہا ہے کیا میرا قلم

کیا اوج دو روزہ تو کیا گاتا ہے
پھر سوے حضیض آسمان لاتا ہے
تنکا جو ہوا سے اُڑ کے ہوتا ہے بلند
آخر وہ زمیں پر ضرور آتا ہے

مورخہ یکم فروری ۱۹۵۵ء

از دیوان مطبوعہ نولکشور کان پور اگست ۱۸۷۲ء
باہتمام مولوی محمد اسمعیل صاحب
(۲) طبع پنجم اگست ۱۸۸۶ء کان پور

PRICE **1-8-0**